دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
دارالعلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
بیاد: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم حقانیہ
مدیر: مولانا سمیع الحق
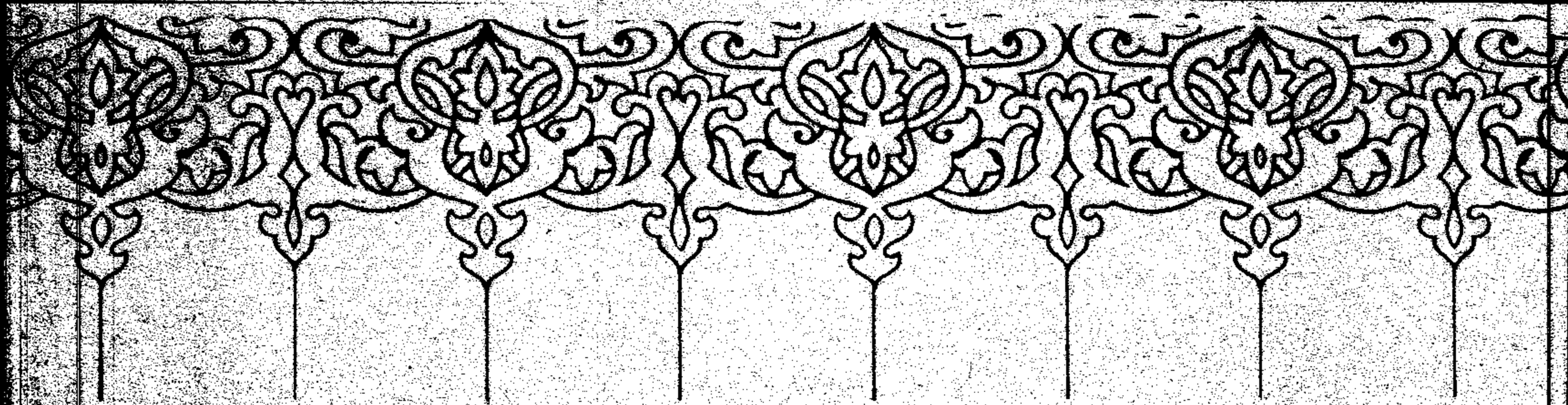
فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت علی ابن ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"جب میری اُمت میں پندرہ خصلتیں پیدا ہوں تو اس پر مصیبتیں نازل ہونا شروع ہو جائیں گی۔"
دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ فرمایا:

- جب سرکاری مال ذاتی ملکیت بنا لیا جائے۔
- امانت کو مالِ غنیمت سمجھا جائے۔
- زکوٰۃ جرمانہ محسوس ہونے لگے۔
- شوہر بیوی کا مطیع ہو جائے۔
- بیٹا ماں کا نافرمان بن جائے۔
- آدمی دوستوں سے بھلائی کرے اور باپ پر ظلم ڈھائے۔
- مساجد میں شور مچایا جائے۔
- قوم کا رذیل ترین آدمی اس کا لیڈر ہو۔
- آدمی کی عزت اس کی برائی کے ڈر سے ہونے لگے۔
- نشہ آور اشیاء کا کھلا استعمال کیا جائے۔
- مرد ریشم پہنیں۔
- آلاتِ موسیقی کو اپنا لیا جائے
- رقص و سرود کی محفلیں سجائی جائیں
- اس وقت کے لوگ اگلوں پر طعن کرنے لگیں۔

تو لوگوں کو چاہیے کہ پھر وہ ہر وقت عذابِ الٰہی کے منتظر رہیں خواہ سرخ آندھی کی شکل میں آئے یا زلزلے کی شکل میں یا اصحابِ سبت کی طرح صورتیں مسخ ہونے کی شکل میں۔ (ترمذی - باب علامات الساعۃ)

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

لہ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ **الحق** اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۲۴
شمارہ : ۲
صفر، ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
نومبر : ۱۹۸۸

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائیلنگ سسٹم
۳۳۵ / ۳۴۱ / ۳۴۰
کوڈ نمبر : ۵۲۳۱۰

بیاد
حضرۃ مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مدیر:
حضرۃ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی

معاون مدیر: مولانا عبدالقیوم حقانی
ناظم: شفیق فاروقی

اس شمارے کے مضامین

بدل اشتراک : پاکستان میں سالانہ ۵۰ روپے - فی پرچہ ۵ روپے - بیرون ملک بحری ڈاک ۶ پونڈ - بیرون ملک ہوائی ڈاک ۱۲ پونڈ
سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظورِ عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

نقشِ آغاز

ملک کی تازہ اور نازک ترین صورتِ حال

اور اسلامیانِ پاکستان کی ذمہ داریاں

ملک میں عام انتخابات کے انعقاد میں صرف چند دنوں کا فاصلہ باقی رہ گیا ہے جب کہ پنجاب میں سماوی اور سندھ میں تخریبی اعمال کے حالیہ آفتوں کے اثرات تاہنوز باقی ہیں۔ پنجاب سیلاب کی آفتِ ناگہانی کے جس عذاب سے گذرا ہے اس کے روح فرسا مناظر نے پورے ملک کے باشندوں کو دلگیر اور رنجیدہ کر دیا ہے۔ ہزاروں افراد لقمۂ اجل بنے سینکڑوں دیہات اور لاکھوں مکانات منہدم اور معدوم ہو گئے۔ لاکھوں افراد بے گھر اور نان و نفقہ کے محتاج ہو گئے۔ سرکاری سطح پر آفت رسیدہ گان کے لئے جو کچھ کیا گیا وہ اس سے بہت کم تھا جو کچھ نشر کیا گیا تاہم فوج کے جوان جس ہمت شجاعت اور اخلاص و محبت کے ساتھ اہلِ وطن کی خدمت کرتے رہے وہ بہر حال لائقِ تحسین اور قابلِ صد آفرین ہے جمعیت علماء اسلام کے سکریٹری جنرل اور دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ بھی اس موقع پر سیلاب زدہ علاقوں میں تشریف لے گئے۔ وہاں کے دردناک مناظر اور مظلوم و تباہ حال انسانیت کی حالتِ زار دیکھی تو جمعیت علماء اسلام کے مخلص اور فعال کارکنوں کو آفت رسیدہ گان کی فوری مدد کے لئے کیمپ لگانے اور تدبیر تنظیم اور باقاعدہ طور پر کامیاب حکمتِ عملی سے ان کی مدد کرنے کے لئے بھرپور تعاون کی ہدایات دیں اور الحمدللہ! کہ جمعیت کے کارکنوں نے اپنی کمزور معذرت اور محدود وسائل کے باوجود جو کام کیا بہت خوب کیا واجرہم علی اللہ۔

باقی سیاسی جماعتوں کو بھی جو قوم و ملک کے لئے خود کو نجات دہندہ باور کراتی ہیں اس موقع پر بھرپور خدمت کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا۔ اس طرح انتخابات کی قربت کے پیشِ نظر بلا رسیدہ اہلِ وطن سے ایک رابطہ بھی قائم ہو جاتا۔ مگر چند ایک سماجی تنظیموں اور ایک دو سیاسی جماعتوں کے چند کیمپوں کے سوا کچھ بھی نظر نہ آیا۔ اکثر سیاسی قائدین اور رہنمایانِ قوم نے اخباری بیانات کے حد تک اظہارِ افسوس کیا اور بس! اے کاش! ہمارے ملک کے سیاسی قائدین اور قومی رہنما حصولِ اقتدار کے بجائے قوم کے معاشی اور قومی و ملّی مشکلات، ملکی مسائل کا حل اور

اور دکھی و مظلوم انسانیت کی خدمت کو عملاً بھی اپنے سیاسیات کا اولین ہدف بنا لیتے تو قومی ترقی، ملّی اور اجتماعی شعور کی پختگی اور ملکی استحکام کو مزید تقویت پہنچتی۔ مگر افسوس ! کہ تا حال سیاسی جماعتوں میں اس نوعیت کی خدمتِ خلق کا کوئی ذوق اور اس کی کوئی نمایاں جھلک دیکھنے میں نہیں آئی۔

○ صوبہ سندھ بالخصوص حیدر آباد اور کراچی میں لسانی اور نسلی امتیازات کے جو بیج مسلسل کئی سالوں سے بوئے جا رہے تھے ان کی فصل لاقانونیت کی شکل میں پک چکی ہے۔ مفاد پرست اور موقع شناس عناصر، غیر ملکی ایجنٹ اور تخریب کار قتل و غارت گری کے لامتناہی سلسلے کی صورت میں اس فصل کو کاٹ رہے ہیں۔ پوری قوم ایک کربناک فضا سے دوچار ہو چکی ہے۔ سندھ مسلسل فسادات کے پیشِ نظر ایک مقتل بن چکا ہے۔ علاقہ پر چھائی ہوئی وحشت و بربریت اور غم و اندوہ کی گہری دھند اور بہیمیت کے ایسے ایسے مظاہر سامنے آئے ہیں جن کے سامنے جلیانوالہ باغ امرتسر میں جنرل ڈائر کی سفاکی، صابرہ اور شتیلہ کیمپوں میں یہودی بھیڑیوں کی درندگی، ڈھاکہ میں مکتی باہنی کے ایک خونخوار افسر اور اس کے کئی ایک ساتھیوں کی زمین پر پڑے ہوئے ایک شخص کے پیٹ میں سنگین اتارنے کا وحشیانہ کردار، تقسیمِ ہند کے فسادات مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتلِ عام، مراد آباد اور میرٹھ کی حالیہ خوں ریزیاں بھی ماند پڑ جاتی ہیں۔ ایسا قتلِ عام ہوا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ٥

بلاشبہ یہ خوں ریزی ملکی سالمیت اور قومی وحدت کے خلاف ایک گھناؤنی سازش ہے جو عوام سے کہیں زیادہ اربابِ سیاست اور اہلِ اقتدار پر عیاں ہے۔ اربابِ حکومت، اہلِ سیاست اور قومی رہنماؤں کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ حصولِ اقتدار کی مساعی، اپنے مفادات کے تحفظ اور محض نعرہ بازی کی سیاست سے نکل کر اس قدر سنگین، حساس اور قومی و ملّی اہمیت کے حامل نازک ترین حالات اور واقعات کا انتہائی سنجیدگی سے نوٹس لیں اس سے قبل کہ خدا نخواستہ کوئی انہونی ہو جائے اور قوم کو کسی ناگہانی آفت سے دوچار ہونا پڑے انہیں کوئی نہ کوئی راہ عافیت تلاش کر لینی چاہیئے۔

○ ملک میں خالص دینی و مذہبی اور مضبوط سیاسی قیادت اور مستحکم سیاسی حکومت کے فقدان، پنجاب میں سیلاب کی تباہ کاریوں اور سندھ میں خوف، دہشت، کشیدگی اور باہمی خانہ جنگی کی بڑی گہری فضا کے باوجود الحمد للہ ! کہ قوم مجموعی طور پر کسی بے یقینی، ذہنی شکست اور اعصابی کشیدگی سے دوچار نہیں ہوئی۔ بلکہ بعض حالات میں بڑے عزم اور استقلال کے مظاہر بھی سامنے آئے ہیں۔ فوج نے تاہنوز جس مستحسن روش اور ملک کے سیاسی استحکام جس تاریخی کردار کا مظاہرہ کیا ہے وہ بھی ہر لحاظ سے خوش آئند اور قابلِ تحسین ہے قوم کے اس مجموعی ثبات، عزیمت اور استقامت کے بھرپور مظاہرہ سے ملک دشمنوں کے تمام منصوبے، مفروضے اور اندیشے غلط ثابت ہو رہے ہیں۔ اور یقین ہے کہ اللہ کریم مستقبل قریب کے نازک ترین اور ملکی تقدیر کے حساس ترین مرحلے میں بھی اسلامیان

پاکستان پر اپنی رحمتوں اور بے پناہ فضل و عنایت کے طفیل اپنا کرم فرمائے گا اسی کے بھروسہ، اور اسی کی غیبی نصرت اور مدد سے ملکی سالمیت کی ہچکولے کھاتی ہوئی ضعیف کشتی، مضبوط اور محفوظ ساحل کے قریب لگے گی انشاء اللہ!

○ ملک کے بقا و تحفظ اور سالمیت و استحکام کے لئے بلاشبہ انتخابات ناگزیر تھے جس کے انعقاد کا بظاہر قطعی فیصلہ کر دیا گیا ہے قومی اسمبلی کے انتخابات کے لئے ۱۶ر نومبر اور صوبائی اسمبلی کے لئے ۱۹ر نومبر کی تاریخیں مقرر کی جا چکی ہیں۔ مگر جس طرح کھانا کھانے سے انسانی زندگی اور اس کے وجود کے تحفظ کی ضمانت کے باوجود کسی کے اسلام اور اطاعت گزاری کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ملک کے بقا اور سالمیت کے پیشِ نظر "انتخابات کی ضرورت کے ہزاروں اعتراف کے باوجود" ملک میں نفاذِ شریعت، اس کے نظریاتی اساس کے تحفظ کی قطعی ضمانت اور نظامِ اسلام کی مبارک منزل ہرگز حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے سہل اور بے خطر راستہ تو یہی تھا کہ آئین سازی کا مسئلہ مختلف نظریات اور بیرونی طاقتوں سے وابستہ کارندوں، مفاد پرست جاگیرداروں، مغرب زدہ سکالروں اور آزادی و دہریت کے علمبرداروں سے تشکیل پانے والی اسمبلی پر چھوڑنے کے بجائے جرأت مومنانہ سے کام لے کر تدریج و مصلحت اور مداہنت آمیز طرزِ عمل کو یک لخت ترک کر کے آئینِ شریعت کے مکمل نفاذ کا اعلان کر دیا جاتا۔ مگر افسوس! کہ جمہور مسلمانوں کے اس مبنی برحق، خالص جمہوری اور ملک کے نظریاتی اساس کے ہم آہنگ مطالبہ پر تا ہنوز کوئی توجہ نہ دی جا سکی۔ مگر اب جب کہ پارلیمانی روایات کے مطابق آئین سازی کا کام قومی اسمبلی نے کرنا ہے تو مسلمانوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ملک کے آئین ساز ادارے میں علماء حق، دین پسند قوتوں اور اسلامی کاز میں مفید اور معاون امیدواروں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں بھیجیں جن کا ماضی اسلامی نقطۂ نظر سے اسلام کے زیادہ قریب رہا ہو۔ جن کے مستقبل کے آئینی کردار، دیانت و تقویٰ، اسوۂ سلف کی پیروی اور راسخ العقیدہ مسلمان ہونے پر اکابر علماء و مشائخ اور عامۃ المسلمین کا اعتماد ہو جو غالب اکثریت میں اسمبلی میں پہنچ کر تحریک نفاذِ شریعت کی تکمیل اور اس کی پیش رفت میں علماء حق کی بھرپور معاونت کر سکیں۔ اور اگر خدانخواستہ قوم نے غفلت، اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی میں تساہل اور چشم پوشی سے کام لیا اور اپنے اسلام پسندی کے دعوؤں اور نعروں کے باوجود پارٹی، جتھہ، گروہ بندی اور علاقائی تعصب کی پوجاپاٹ کرتے ہوئے ایسے لوگوں کو نامزد کیا جنہیں اسلامی علوم کے ابجد سے بھی واقفیت نہیں نہ ان کا عقیدہ اور ایمان اسلامی آئین کے اجراء و تنفیذ پر راسخ ہے تو پھر آئندہ اسمبلی میں بھی اسلام کا وہی حشر ہو گا جو اس سے قبل کی اسمبلیوں میں ہوا کرتا تھا۔ اور نتیجہ میں وہ خلفشار اور باہمی سر پھٹول نمایاں ہو گا جس کا خمیازہ نہایت بھیانک شکل میں قوم کو بھگتنا ہو گا۔

○ اس موقعہ پر یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ آئندہ انتخابات، محض چند انتظامی نوعیت کی تبدیلیوں یا محض انتقال اقتدار کے لئے منعقد نہیں ہو رہے بلکہ یہ پورے ملک کے مستقبل کی زندگی کا ایک حساس ترین موڑ ہے جس میں پوری

قوم کی تقدیر کا فیصلہ ہوتا ہے۔ ان انتخابات میں دو مختلف نظریے اور دو متحارب نظام زندگی ٹکرائیں گے۔ ایک کا کہنا ہے کہ پاکستان صرف ایک معاشی ضرورت کے تحت بنا تھا۔ نظام اسلام، انسانی معیشت کی تکمیل میں ناقص ہے۔ اسے سوشلزم سے بھیک اور پیوند کی ضرورت ہے طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔ اباحیت، آزادیٔ نسواں، مکر و فریب، دھاندلی ظلم و تشدد، بھٹو ازم، فسطائیت، آمریت اور تخریب کاری کے مکروہ چہرے پر جمہوریت پسندی کے خوشنما اور فریب کارانہ نقاب کا پروپیگنڈہ۔ لادین اور نوجوان عورتوں کی حکومت تک سب کچھ قوم و ملت کی ضرورت ہے، ان کے نزدیک اسلامی قوانین، حدود اور قصاص وغیرہ، غیر انسانی وحشیانہ اور ظالمانہ قوانین ہیں۔ پرائیویٹ شریعت بل، امتناع قادیانیت آرڈیننس، نفاذ شریعت آرڈیننس اور متعدد اسلامی قوانین کی طرف پیش رفت قدامت پرستی ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک کائنات پر حکومت انسانی خواہشات کی ہے اور وہی اچھے برے کا فیصلہ کرے گی۔ یہ لوگ ماسکو کے ملحدوں، اسرائیل اور امریکہ کے یہودیوں اور بھارت کے ہندوؤں کی مشترکہ میراث اور ان کی امیدوں کا مرکز ہیں۔

جب کہ دوسرے کا دعویٰ یہ ہے کہ اس کائنات پر حاکمیت صرف اللہ کی ہے پاکستان اسی کے نام پر بنا تھا یہاں اسی کا قانون چلے گا اسی کی بات مانی جائے گی۔ سیاست و معیشت سے لے کر پرائیویٹ زندگی تک ہر معاملے میں اسی کے احکام واجب الاطاعت ہوں گے ۔ اگرچہ اس دوسرے گروہ میں بھی نسبتاً علماء کی تعداد کم ہے مگر نظریہ و منشور، مستقبل کا لائحہ عمل اور اقتدار کی صورت میں نظام حکومت کے اولین اہداف وہی ہوں گے جن کی نشان دہی علماء نے کردی ہے اور جس پر اتحادی پارٹیوں کے تمام رہنماؤں نے علماء حق کے ساتھ معاہدہ پر دستخط ثبت کردئے ہیں۔

○ موجودہ حالات میں فریضۂ منصبی کے احساس اور ملکی سیاست میں اسلامی کاز کی اصولی بالادستی کے عظیم مقصد کے حصول کے پیش نظر جمعیت علماء اسلام کے مرکزی سیکریٹری جنرل حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی تجویز و تحریک پر حالیہ انتخابات میں ہم خیال سیاسی جماعتوں کے ساتھ باہمی تعاون اور انتخابی اتحاد کے پیش نظر اولاً جمعیت کی مرکزی مجلس عاملہ میں اس کے لئے بنیادی طور پر یہ اصول وضع کئے گئے۔

ملک میں اسلامی قانون کی مکمل بالادستی، قرآن و حدیث کی روشنی میں برابری کی بنیاد پر تمام طبقات کے لئے قابل قبول معاشی مواقع فراہم کرنا۔ جہاد افغانستان کی مکمل حمایت اور پشت پناہی۔ ایٹمی توانائی کے پروگرام کا فروغ اور ملک کی ترقی کے لئے اس کا پُرامن استعمال، غیر وابستہ خارجہ پالیسی (جس کے نتیجے میں فلسطینی اور کشمیری عوام کی جد و جہد کی مکمل حمایت اور تیسری دنیا کے ممالک سے مکمل تعاون) جنہیں مستقبل کے لائحہ عمل کے طور پر اختیار کرنے اور برسر اقتدار آنے کی صورت میں اس پر کاربند رہنے کے لئے پاکستان مسلم لیگ سمیت ۸ سیاسی جماعتوں نے آمادگی ظاہر کردی۔ جسے بعد میں اسلامی جمہوری اتحاد کے سربراہی اجلاس میں پیش کرکے معاہداتی تحفظ بھی حاصل کرلیا

گیا جس کے نتیجے میں اسلامی جمہوری اتحاد وعمل میں آیا اور حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کو اس کا نائب صدر منتخب کر لیا گیا۔
بہرحال ایسے حالات میں جب کہ لڑائی اسلام اور لادینیت کی اور پاکستان کی سالمیت وبقا اور تخریب وفنا کی ہے۔ کسی بھی باشعور مسلمان کے لئے غیر جانب دار رہنے کی بھی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس وقت تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی ساری توانائیاں، اسلامی قوتوں کو مدد پہنچانے میں صرف کر دیں۔ اس موقع پر خاموش بیٹھنا بھی ایسا ہی جرم ہے جیسا کہ دشمن کو تقویت پہنچانا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الناس اذا راوا الظالم فلم یاخذوا علی یدیہ اوشک ان یعمھم اللہ بعقاب۔	اگر لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا عذاب نازل فرمائیں۔

سب دیکھ رہے ہیں اور کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ اباحیت پسندی، فسطائیت، کمیونزم کے فروغ اسلامی اقدار کی تحقیر اور نفاذ شریعت جیسے عظیم مقصد کے حصول میں ایک بڑی اور لادین قوت کھلے بندوں ظلم کر رہی ہے تو حدیث رسولؐ کی رو سے انتخابات میں سرگرم حصہ لے کر اس ظلم کو روکنا، ثالثا اور کسی نہ کسی درجے میں مثانا سب کا فرض ہے کہ خاموش بیٹھنے کی بجائے اس ظلم کو روکنے کی مقدور بھر کوشش کریں۔

○ بعض سادہ لوح اور خالص دیندار لوگوں میں ایک غلط فہمی یہ بھی پھیلائی جا رہی ہے کہ موجودہ زمانہ کی سیاست مکر وفریب کا دوسرا نام ہے اس لئے شریف آدمی کو نہ تو سیاست میں حصہ لینا چاہئے اور نہ الیکشن میں کھڑا ہونا چاہئے بلکہ ووٹ ڈالنے تک کے خرخشوں میں پڑنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

یہ غلط فہمی طبعی شرافت، سادہ لوحی یا چاہے بھی نیک نیتی سے پیدا ہوئی ہو، لیکن ہے بہرصورت سراسر غلط اور قوم وملت کے لئے ضرر رساں! بلاشبہ ملکی سیاست ۴۰ سال سے خود غرض حکمرانوں، لادین قوتوں اور مفاد پرست سیاست دانوں کے ہاتھوں سے گندگی کا ایک تالاب بن چکی ہے۔ جب تک صاف ستھرے، دیندار متقی اور پرہیز گار لوگ علماء حق کی راہ نمائی میں اسے پاک کرنے کے لئے آگے نہیں بڑھیں گے تو اس گندگی میں مزید اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ اور پھر ایک نہ ایک روز یہ نجاست ملک کے پارساؤں کے گھروں تک بھی پہنچ جائے گی چنانچہ عقلمندی، شرافت اور خالص دینی اور شرعی تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہ اور حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کے ہدایات کے پیش نظر ملک کے چاروں صوبوں میں جمعیت علماء اسلام اور اسلامی جمہوری اتحاد کے پلیٹ فارم سے علماء حق انتخابات میں بطور امیدوار کے بھرپور حصہ لے رہے ہیں تاکہ سیاست کی اس گندگی کو دور دور سے برا کہنے کے بجائے سیاست کے میدان کو ان لوگوں کے ہاتھ سے چھین لیا جائے جو مسلسل اسے گندہ کر رہے ہیں۔
ایسے حالات میں ووٹ ایک معمولی پرچی نہیں بلکہ یہ ایک بڑے انقلابی موڑ کا پیش خیمہ بن سکتی ہے ووٹ

بلاشبہ ایک شہادت ہے لہٰذا ووٹ کو غلط استعمال کرنا یا محفوظ رکھنا بھی دینداری کا تقاضا نہیں بلکہ اس کو زیادہ سے زیادہ صحیح استعمال کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اگر شریف، دین دار اور معتدل مزاج حضرات یکسو ہو کر بیٹھ جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے یہ میدان شریروں، فتنہ پردازوں اور بے دین افراد کے ہاتھوں میں سونپ دیا ہے۔ جس کی آخرت میں باز پرس ہوگی اور دنیا میں اس کے اجتماعی اور قومی وبال سے ملک اور قوم کو محفوظ نہیں رکھا جا سکتا۔

شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلویؒ کا سانحہ ارتحال

گذشتہ ہفتے مشہور عالم دین، ممتاز سکالر، جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ کا انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کی عمر ۶۲ سال تھی وہ تحریک پاکستان کے بزرگ رہنما، مفسر، محدث اور عظیم مصنف حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے فرزند ارجمند اور جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے شاگرد خاص اور کئی علمی و تحقیقی کتب کے مصنف تھے۔ درس وتدریس اور خدمت علم ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ وہ اسلامی نظریاتی کونسل اور مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے۔ نفاذ شریعت اور غلبہ دین کے لئے مرحوم کے مساعی ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ ان کے ہزاروں تلامذہ گراں قدر تصنیفات ایک عظیم صدقہ جاریہ ہیں۔

ادارہ مرحوم کے پسماندگان، عزیز و اقارب، تلامذہ کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ باری تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ اپنی رحمتوں سے نوازے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

اللھم اغفر لہ وارحمہ وارفع درجاتہ (عبدالقیوم حقانی)

افادات: شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ
ضبط و ترتیب: مولانا عبدالقیوم حقانی

صحبتے با اہلِ حق

صحبتِ یار آخر شد

سراپا شفقت اور مجسم انکسار، دعاؤں کا مخزن اور مجاہدین کا پشتیبان

محدث جلیل، استاذی واستاذ العلماء، قائد شریعت، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے افادات، فیوض و برکات اور ارشادات "صحبتے با اہل حق" کے مضمون ہوا کرتے تھے۔ اب حضرت شیخ الحدیثؒ کی وہ معرفت اور حکمت بھری گفتگو، محبت بھری ادائیں، دلفریب عنائتیں، مؤثر اور پُرمغز نصائح و ہدایتیں، خلوص بھری شفقتیں، وہ سراپا انکسار۔ وہ رأفت و رحمت کا پیکر مجسم، محبین و مخلصین کے ہجوم میں گھرے ہوئے صحبتے با شیخ عبدالحقؒ ہیں وہ کیف و سرور کی دلربا بہاریں، وہ منبع علم و حلم، وہ پیکر جود و سخا، وہ دعاؤں کا مخزن، وہ غازیوں، شہیدوں اور مجاہدین کا پشتیبان، وہ شجاعت و عزیمت اور استقامت کا ہمالہ۔ ۷ ستمبر کی ظہر کے بعد ہزار تلاش و جستجو کے باوجود اس مادی اور فانی دنیا میں، اب ہم آئندہ کبھی بھی ان کی مجلس عرفانی اور صحبت روحانی میں حاضر خدمت نہیں ہو سکیں گے ایسے ہی ایک صدمہ جانکاہ پر سید سلیمان ندویؒ نے کہا تھا ؎

ہم سفر وادی ہستی میں وہ دلبر نہ ہوا — شمع اس راہ میں اس کا رخ انور نہ ہوا
درد اٹھ اٹھ کے میرے دل میں ٹھہر جاتا ہے — کیوں رگ دل کی جگہ سینہ میں نشتر نہ ہوا
یہ تماشائے جہاں خواب ہے میں مانتا ہوں — پر یہ کیوں خواب میرے واسطے شب بھر نہ ہوا
دل کو کیوں مورد احساس بنایا یارب — حسرت اس کی ہے کہ یہ دل ہوا پتھر نہ ہوا
حیف اس خون کی قسمت جو مژہ سے ٹپکے — قطرہ اشک ہوا، بادہ احمر نہ ہوا
دل میں بیٹھا ہو کوئی اس سے تسلی تو نہیں — پردہ دل میں جو ہے بر سر منظر نہ ہوا

کیا بتاؤں اور کیسے بتایا جا سکتا ہے کہ حضرت قائد شریعتؒ کے انتقال کے بعد دنیا پر کیا گذری؟ دل پہ کیا گذری؟ اہل دل پر کیا گذری؛ صالحین امت پر کیا گذری؟ جب حضرت شیخؒ پر اجل مسمیٰ اور تقدیر کا فیصلہ غالب آ گیا۔ اس وقت کی آپ بیتی اور جگ بیتی، اس وقت کا نقشہ، کیفیت اس وقت کی بے چینی و اضطراب اور حزن و ملال کی دلگداز کیفیتیں

کیسے بیان کی جاسکتی ہیں؟ یہ کوئی تحریر کی بات تو نہیں، تقریر کی بات بھی نہیں۔ یہ تو دلوں کی کیفیت ہے حروف اور نقوش سے بظاہر کوئی قلمی تصویر بن بھی جائے تو اس میں کیف و سرور کی مستی، عشق و محبت کا ولولہ اور خلوص و للہیت اور وارفتگی کی روح کون ڈال سکے گا اور کسے تاب ہے کہ وہ اس کی جرأت بھی کر سکے ؎

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید
حیرتے دارم کہ نازش را چساں خواہد کشید

مسجد شیخ الحدیثؒ (قدیم دارالعلوم حقانیہ) ہو یا دارالعلوم حقانیہ کا دارالحدیث اور دفتر اہتمام ہو یا پاکستان کی پارلیمنٹ ہو یا ملکی سیاست کا خارزار۔ تحریک نظام مصطفیٰ ہو یا تحریک نفاذ شریعت کا پلیٹ فارم۔ تحریک ختم نبوت کے معرکہ ہائے بلاخیز ہوں یا جہاد افغانستان کے سنگلاخ مراحل، دیوان گان شیخ عبدالحقؒ اور طلب گاران صحبتے با اہل حق "چند ساعتے با اولیا" کی تمنا لے کر نکلتے تو حضرت شیخؒ کو کسی نہ کسی محاذ پر موجود پاتے، شرف دید سے مشرف ہوتے، مرادوں کی جھولیاں بھرتے، دعاؤں کے تحائف وصول کرتے۔ قلب میں نور ایمان کی بہاریں اور شوق و محبت کا گلزار لے کر پھر آئندہ کے اشتیاق دید سے معمور اور بامید ملاقات رخصت ہو جاتے۔ رخصت اور آئندہ کے شوق وصال کی یہ کیفیتیں، تحریر والفاظ کی تنگ دامینوں میں کب ڈھالی جاسکتی ہیں ؎

دل پہ گذری جو واردات نہ پوچھ
ان کے نظروں کی کوئی بات نہ پوچھ

احقر خود بعد العصر حضرت اقدسؒ کی بارگاہ علم و فضل میں کبھی حقائق السنن کے مسودات لے کر، کبھی ذاتی خطوط کے جوابات لکھ کر، کبھی شوق دید، ذوق استفادہ اور اشتیاق ملاقات کے جذبات لے کر حاضر خدمت ہوتا۔ دن بھر کی تھکن، ہمہ وقتی کام، ذہنی اور فکری تعب و مشقت، بدن کے تکاسل۔ نتیجۃً طبعی پژمردگی۔ غرض از دیاد کار کی وجہ سے چور چور ہوتا۔ مگر جب ایک محبت بھرا تبسم اور ایک نیم باز نگاہ شفقت حاصل ہو جاتی تو یوں محسوس ہوتا گویا نئی زندگی مل گئی ہے یا تن مردہ میں جان آگئی ہے ؎

تیری نوازش پنہاں کا لطف کیا جانے
وہ دل جو تیری نگاہوں کا پائمال نہیں

ڈانٹ ڈپٹ، باز پرس، خوردہ گیری اور غلطیوں پر انتباہ کے بجائے سراپا تشکر و اطمینان اور بات بات پر ممنونیت کا اظہار ہوتا۔ ضعف و علالت، پیرانہ سالی۔ عوارض و امراض کے باوجود املائی ترمذی پر توجہ، مسجد کی چٹائیوں پر گھنٹوں بیٹھے رہتے۔ اصلاح تجویز و ترمیم اور حذف و اضافہ میں فکری انہماک۔ اور ہمت و استقامت اور عزیمت سے کام لیتے یہ دیکھ کر ہمیں اپنی جوانی پر ندامت ہوتی۔ پست حوصلے جواں ہوتے بے ہمتی کافور ہوتی۔ فکری الجھاؤ۔ ذہنی تعب اور

کام اور اس کی خدمت یہی سب کچھ ہے۔" ڈھیروں دعاؤں سے نوازتے۔ گفتگو نرم، متانت اور محبت بھرے لہجے میں ہوتی۔ حضرتؒ یہ چاہتے تھے کہ دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبہ ہسپتال میں کم آئیں آنے جانے، بسوں اور ویگنوں میں اترنے بیٹھنے اور سفر کی زحمت برداشت نہ کریں اور اگر کبھی لامحالہ آنا بھی چاہیں تو ایسے اوقات میں تشریف لائیں کہ دارالعلوم کے کام اور اس کے تعلیمی نظام میں حرج نہ ہو۔ حضرتؒ یہ بات ان سے کہنا بھی چاہتے تھے مگر اشارۃً وکنایۃً، صراحۃً کہنے سے اس لئے اجتناب فرماتے رہے کہ ان کو یہ اندیشہ رہتا تھا کہ میرے اس کہنے سے کہیں ان کے دل نہ ٹوٹنے پائیں۔

اگست کی ستائیسویں تاریخ تھی۔ ظہر کی نماز دارالعلوم میں پڑھی۔ برادرم مولانا قاری محمد رمضان صاحب کو ساتھ لیا۔ عصر کی نماز جی ٹی ایس اڈہ پشاور کی جامع مسجد میں ادا کی اور پون گھنٹہ بعد ہم لوگ خیبر ہسپتال پشاور کے مین دروازہ پر پہنچ گئے۔ گیٹ بند تھے۔ خلاف معمول باوردی پولیس لوگوں کو اندر جانے سے روک رہی تھی۔ چند لمحوں میں لوگوں کا گیٹ پر ایک جم غفیر جمع ہوگیا۔ ہمیں بھی روک دیا گیا۔ کسی صاحب نے بتایا کہ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ جناب ریٹائرڈ جنرل فضل حق صاحب شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کی عیادت کے لئے آرہے ہیں۔ ان کی آمد پر یہ حفاظتی تدابیر اختیار کئے جارہے ہیں۔ ہم ایک طرف کھڑے ہوگئے۔ تو دیکھا کہ ہسپتال کے دروازے پر علماء، طلباء۔ افغان مجاہدین متشرع اور دیندار لوگوں کی بھی ایک بھیڑ جمع ہوگئی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ لوگ بھی ہماری طرح حضرت شیخؒ کی عیادت اور ملاقات کے لئے اندر جانا چاہتے ہیں۔

وزیر اعلیٰ کوئی ایک گھنٹہ ہسپتال میں رہنے کے بعد جب واپس ہوئے تو لوگوں کو اندر جانے کی اجازت مل گئی۔

اس سے قبل گذشتہ سال جب سی ایم ایچ ہسپتال راولپنڈی میں احقر حضرت شیخؒ کی عیادت کے لئے حاضر خدمت ہوا تھا تو میری حاضری سے چند لمحے قبل اس وقت کے وزیر اعظم جناب محمد خان جونیجو حضرت شیخؒ کی عیادت کر کے واپس جارہے تھے۔ وہاں بھی یہی صورت حال پیش آئی تھی۔ یہ بھی ایک گونہ اسی نوعیت کا دوسرا چانس تھا۔ بہر حال ہم بھی مختلف گیلریوں سے ہوتے ہوئے حضرت اقدس کی قیامگاہ کمرہ ۳۲ میں پہنچ گئے۔ حضرت شیخؒ کے محبین ومخلصین کی ایک جماعت، بنوں سے آئے ہوئے علماء اور افغانستان کے محاذ جنگ سے آئے ہوئے ایک کمانڈان، تحریک جنود اللہ عالم کے امیر مولوی بادشاہ گل حقانی اپنی جماعت مجاہدین کے ہمراہ ہمارے ساتھ اسی کمرہ میں حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ہم لوگ کمرہ میں داخل ہوئے تو سامنے چہرۂ اقدس پہ نظر پڑی۔ ضعف وعلالت اور بیماری کے باوجود معمول کی نورانی صورت کی رونق میں اضافہ تھا۔ احقر بار بار جب حضرتؒ دوسری طرف متوجہ ہو جاتے اشتیاق ومحبت کے جذبات کے ساتھ بے قرار نظروں سے جی بھر کر دیکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ ہر بار یوں محسوس ہوتا کہ ایک فرشتہ ہے جو آسمان سے اتر آیا ہے۔ اپنی طبعی افتادہ، اخلاق وتواضع اور ایک عظیم، علمی ودینی، سیاسی وملی اور روحانی عظمت ومقام کے باوصف عجز وانکسار کی وجہ سے پہلے سے کئی گنا بڑھ کر محبوبیت اور شرافت ان کی پیشانی سے جھلکتی بلکہ

جسمانی تکان مرتفع ہوجاتا۔ جب نماز مغرب حضرت شیخؒ کی معیت میں پڑھ کر مجلس شیخؒ سے دارالعلوم واپسی ہوتی تو ایسا محسوس ہوتا گویا کسی نے طاقت کا ٹیکہ اور فرحت وانبساط کا انجکشن لگادیا ہے ؎

ہر چند پیر وخستہ و لبس ناتواں شدم
ہر گہ نظر بر روئے تو کردم جواں شدم

واقف کار حضرات، حضرت شیخؒ کے خدام اور قریبی مخلصین واحباب، دارالعلوم کے اساتذہ وطلبہ، جہاد افغانستان کے محاذ جنگ کے جرنیل اور مجاہدین بھی عموماً عصر کے مبارک وقت کی تاڑ میں رہتے اور عملاً "صحبتے با اہل حق" سے مستفید اور لطف اندوز ہوتے، دشمن سے مقاتلہ، عزیمت اور شہادت کے عزائم، جہاد کے تسلسل، استقامت کے ارادے، موقف میں پختگی، شوق جہاد کے جذبات اور ایمان آفرین کیفیات سے مسرور ہوتے۔ اب انہیں یہ اضطراب ہے کہ روسی دشمن اور اپنے سے کئی گنا بڑھ کر ایک طاقت ور عفریت کے مقابلہ میں ہمیں استقامت اور عزیمت کا درس کون دے گا انابت الی اللہ، پرخلوص توجہ، اور مستجاب دعاؤں سے اب ہماری پشت پناہی اور ڈھارس کون بندھوائے گا۔

حضرت شیخؒ بیمار ہوئے تو محبین ومخلصین، معتقدین وزائرین، مشائخ علماء، فضلاء اور عامۃ المسلمین، افغان قائدین محاذ جنگ کے جرنیل اور مجاہدین کا حضرت شیخؒ سے ایک لمحہ صحبت، ایک نظر شفقت، ایک نگاہ شوق اور ایک جھلک ذوق دید کی تحصیل اور تکمیل کے لئے خیبر ہسپتال پشاور کے بالائی احاطہ کمرہ ۳ کی طرف ایک تانتا بندھ گیا۔ اُدھر سے بھی معاملہ ایسا ہی تھا۔ کوئی بندش نہیں۔ کوئی روک ٹوک نہیں۔ ڈاکٹروں کے ہزار منع کرنے کے باوجود دور دراز سے آنے والے مخلصین ومحبین اور عامۃ المسلمین کی دل شکنی گوارا نہیں۔ سب کو ملاقات کی اجازت ہے۔ جو چاہے جب چاہے وقت، بے وقت اپنے قلب اور ذوق عشق کی انگیخت پر کمرہ ۳ میں پہنچ جائے۔ شدید علالت، عوارض وامراض۔ ضعف اور شدت تکلیف کے باوجود حضرت شیخؒ سے ملاقات ہوتی۔ تو یوں محسوس ہوتا گویا حضرت آنے والوں کے لئے چشم براہ تھے دھیمی، سلیس اور شستہ علمی گفتگو، محبت بھری ادائیں۔ شفقت اور پیار سے معمور نگاہیں۔ پرنور ارشادات اور فیوض وبرکات اور سادہ وبے تکلف اطوار وعادات سے یہ ترشح ہوتا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ اپنے چاہنے والوں کے مطلوب نہیں طالب ہیں۔ محبوب نہیں محب ہیں۔ مخدوم نہیں خادم ہیں۔ مراد نہیں مرید ہیں۔ اور کسی بھی دیکھنے والے کو یہ تاثر لینے میں قدرے تامل کی گنجائش باقی نہ رہتی۔ کہ حضرت شیخؒ شدید بیماری کی تکالیف کے باوجود اپنے چاہنے والوں پر دل وجاں سے نچھاور ہو رہے ہیں۔ صحبت شیخؒ کی ایک ایک ادا، نگاہ شفقت کا سحر انگیز التفات، انس ومحبت اور حکمت بھرے لہجے کا محبوبانہ اتار چڑھاؤ کس کس پہلو کو لیا جائے اور کیا بتایا جائے ؏

بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

دارالعلوم کے اساتذہ، طلبہ اور خدام جب ہسپتال میں حاضر خدمت ہوتے تو ارشاد فرماتے۔ "اپنے کام میں لگے رہو دارالعلوم کا

ابلتی نظر آتی تھی۔

احقر نے حضرت شیخؒ سے اضیاف کا تعارف کرایا۔ افغان مجاہدین کے وفد کے سربراہ اور تحریک جنود اللہ عالمی کے امیر مولوی بادشاہ گل حقانی نے عرض کیا۔ حضرت! آپ کی دعائیں آپ کی توجہ اور آپ کا وجود مسعود ہمارے لئے پناہ گاہ ہے، ہم کل سے محاذِ جنگ پر جا رہے ہیں۔ گو کہ آپ کی علالت اور شدتِ تکلیف کا ہمیں احساس بھی ہے۔ ہم صرف دعا کے لئے حاضرِ خدمت ہوئے ہیں۔

افغان مجاہدین کا نام سنتے ہی حضرت شیخ الحدیثؒ سنبھل گئے۔ محاذِ جنگ کی رپورٹ دریافت فرمائی۔ تازہ ترین صورتِ حال پر بحث فرماتے رہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ آپ حضرات جو عملاً جہادِ افغانستان میں روسی دشمن سے برسرِ پیکار ہیں یہ آپ کی شرافت، نجابت، کامیابی اور مقبولیت عند اللہ کی دلیل ہے۔ مجاہدین کی درخواست پر بڑے الحاح اور عجز و انکسار کے ساتھ ان کے لئے دعا کی۔

آج بھی حسبِ معمول جذبۂ جہاد کا نور ان کی ہر ادا اور ہر پہلو سے ظاہر ہوتا تھا۔ تحریر اس کی متحمل نہیں ورنہ اس تصور سے حضرت شیخؒ کے علمی و دینی اور قومی و ملکی خدمات کی طرح آٹھ دس سال سے جہادِ افغانستان کے پہلو سے بھی ان کی زندگی ایک کھلے صحیفے کی طرح سامنے آ گئی ہے جس کا ہر صفحہ نورانی اور ہر ورق زرین ہے۔

مجاہدین کو رخصت کرنے کے لئے چارپائی سے اٹھنا چاہا مگر ضعف و علالت کے پیشِ نظر مجاہدین کے اصرار پر بیٹھے بیٹھے سب سے معانقہ اور مصافحہ کرتے رہے اور اَستَودِعُ اللّٰہ دینکم و امانتکم وخواتیم اعمالکم مسنون دعا کے ساتھ سب کو رخصت کرتے رہے۔

بنوں سے دارالعلوم حقانیہ کے قدیم فضلاء بیمار پرسی کیلئے تشریف لائے تھے انہیں بھی حضرت شیخؒ بڑے تلطف، شفقت، محبتوں اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازا۔ وہ بھی رخصت ہو گئے تو احقر نے حضرت شیخؒ کے ساتھ ان کی چارپائی کے پائنتی بیٹھ کر ان کے استفسار پر دارالعلوم کے حالات، اسباق، اساتذہ کرام کے تسلیات، طلبہ دارالعلوم کے سہ ماہی امتحانات کی تیاریاں اور امتحانی کمیٹی کی کارکردگی کی اجمالی رپورٹ سنائی۔ حضرت بڑے متوجہ رہے۔ پھر از خود دریافت فرمایا کہ کل صوابی کا دورہ کیسے رہا؟

دراصل کل کی بات یہ تھی کہ ضلع صوابی کے علماء اور جمعیۃ علماء اسلام کے کارکنوں نے قائد جمعیت حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کے لئے ضلع صوابی میں علماء کی میٹنگ رکھی تھی اور صوابی سے ۲۰، ۲۵ میل آگے گدون میں جلسۂ عام کا پروگرام تھا۔ احقر نے تفصیل سے صورتِ حال عرض کر دی۔ لوگوں کا دین سے لگاؤ، والہانہ استقبال، جمعیۃ کے موقف سے وابستگی، نفاذِ شریعت اور غلبۂ اسلام کے لئے مولانا سمیع الحق سے تعاون کے جذبات تفصیل سے عرض کئے تو بہت مسرور ہوئے۔ چہرۂ اقدس پر بشاشت کے آثار نمایاں تھے۔ پھر ارشاد فرمایا کس کس نے تقریریں کیں اور کیا کیا کہا؟

حقر نے اپنی یادداشت کی حد تک سب حضرات کی تقریروں کے خلاصے سنا دیئے تو مسکراتے ہوئے پھر ارشاد فرمایا! آپ کی تقریر کا موضوع اور مضمون کیا تھا؟ کیا عرض کرتا جھجک کر رہ گیا۔ براہ راست حضرت شیخ الحدیثؒ سے دریافت کرنے کی جرأت تو نہ ہو سکی۔ احقر نے محمد یوسف شاہ سے جو وزیر اعلیٰ کی حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضری کے وقت موجود تھے سے دریافت کیا۔ شاہ جی! وزیر اعلیٰ صاحب تشریف لائے تھے؟ عیادت کی ہوگی اور کوئی خاص بات بھی ہوئی کہ نہیں۔ وہ کہنے لگے ہاں! وزیر اعلیٰ صاحب آئے تو انہوں نے حضرت سے بڑی معذرت کی۔ حضرت شیخؒ کے ساتھ چارپائی پر پائنتی کی طرف بیٹھ گئے اور کہنے لگے۔ حضرت! خدا گواہ ہے مجھے آپ کی بیماری اور ہسپتال میں داخلے کا کوئی علم نہیں تھا۔ آج اتفاقاً مولانا سمیع الحق صاحب سے ملاقات ہوئی تو میں نے آپ کی صحت کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ حضرت بیمار ہیں اور ہسپتال میں ہیں تو مجھے بہت قلق ہوا۔ آپ سے میری جو عقیدت ہے اور محبت اور اعتماد ہے بغیر کسی تصنع و ریا کے عرض کرتا ہوں کہ اس کے پیش نظر چاہیے تھا کہ میں اب تک کئی بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوتا۔ چونکہ مجھے علم نہیں تھا اس لئے بس عفو چاہتا ہوں۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے انہیں فرمایا ...

شاہ جی کی بات ابھی جاری تھی کہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے ارشاد فرمایا کہ بس نے آج وزیر اعلیٰ کی آمد کے موقع پر ان سے صاف کہہ دیا کہ مرحوم صدر ضیاء الحق ملک میں نفاذ شریعت کا مقصد حاصل نہ کر سکے۔ مگر اب یہ ساری ذمہ داری ان کے قریبی رفقاء پر بالخصوص آپ پر آگئی ہے۔ کہ آپ ان کے معتمد اور قریب ترین ساتھی تھے آپ نے اپنے نام کی بھی لاج رکھنی ہوگی کہ تمہارا نام "فضل حق" ہے اس کا معنی اور مفہوم بھی قابل لحاظ ہے۔ اپنی ترجیحات میں سب سے پہلا کام نفاذ شریعت کا بنالو۔ دوسری بات جو وقت کی اہم ضرورت اور قومی اور ملکی اور ملی اعتبار سے بہت اہم ہے وہ جہاد افغانستان کی بھرپور حمایت ہے۔ صوبہ سرحد اس اعتبار سے ایک نازک اور حساس مقام پر ہے آپ نے افغان مجاہدین کی سرپرستی نصرت اور ان کی حمایت کا بھی پورا پورا خیال رکھنا ہوگا۔ جب آپ ان دونوں باتوں کو اصولی طور پر اہمیت دیں گے تو خدا تعالیٰ کی مدد بھی تمہارے شامل حال ہوگی۔

نماز مغرب کا وقت ہو چکا تھا اور دو ایک منٹ اس پر مزید بھی گذر گئے تھے۔ حضرت اقدسؒ کے ارشادات میں در آنے کی جرأت کون کر سکتا تھا۔ جب بات مکمل فرمالی تو بتایا گیا کہ حضرت! نماز کا وقت ہو چکا ہے اور دو منٹ زائد بھی گذر چکے ہیں۔ یکایک چونک پڑے سنبھل گئے نماز باجماعت کا حکم فرمایا۔ احقر نے تکبیر کہی مولانا قاری محمد رمضان صاحب نے امامت کی۔ حضرت شیخؒ چارپائی پر بیٹھ کر نماز میں شریک رہے ہم نے ان کے محاذات میں نماز کی صف بنالی تھی۔ میرا کاندھا حضرت شیخؒ کے کاندھے کے ساتھ ملا ہوا تھا۔

سنتیں پڑھ لی گئیں تو دروازہ پر دستک ہوئی۔ خود حضرت اقدس متوجہ ہوئے، ارشاد فرمایا دیکھو! مہمان ہوں گے۔ دروازہ کھولا گیا تو ڈاکٹروں کا ایک وفد تھا ہر ایک ملتا اور اپنا اپنا تعارف کراتا رہا۔ آخر میں

سب نے عرض کیا حضرت! ہمیں آپ کی علالت کا اس سے پہلے علم نہیں تھا آج معلوم ہوا تو حاضر خدمت ہو گئے ہیں ہمارے لائق کوئی خدمت اور کسی قسم کا کار لائق ہو ہم بہر صورت تیار اور دعاؤں کے خواستگار ہیں۔

حضرت شیخؒ نے انہیں جوانی میں عمل صالح کی ترغیب دی اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازا۔ جب وہ رخصت ہوتے تو ہمارے لئے محمد یوسف شاہ سے چائے کا کہا۔ جب تک ہم چائے سے فارغ نہیں ہوئے بار بار دریافت فرماتے رہے کہ انہیں چائے دی گئی ہے یا نہیں۔ اور جب رخصت ہونے لگے تو بڑی توجہ اور انہماک کے ساتھ دعا فرمائی۔ حاضر دماغی فکری قوتوں کی بیداری اور کمال شفقت وعنایت اس درجہ کہ میرے بعض مشاغل کے نام لے کر ان کی تکمیل کی دعا فرماتے رہے۔ مصافحہ کرتے اور ہمارے کمرہ کے دروازہ سے نکلتے وقت تک زبان مبارک پر دعاؤں کا ورد تھا کہ وہ سراپا مجسمہ دعا ہی تھے ؎

عمر گذری ہے تیرے دربار میں آتے ہوئے
گڑگڑاتے مانگتے اور ہاتھ پھیلاتے ہوئے

وا حسرتاہ! کیا خبر کہ اس کے بعد پھر حین حیات حضرت شیخ ؒ کی زیارت وملاقات کا موقعہ نہ مل سکے گا۔ بلکہ بیماری بھی حضرتؒ کی عام معمول کی بیماری تھی یہ تو وہم وگمان اور تصور میں بھی نہیں آتا تھا کہ ہماری اب کی بار حضرت شیخؒ کی خدمت میں گویا آخری بار کی حاضری ہے اور "صحبتے با اہل حق"[1] کا ایک عظیم باب یہاں ختم ہو رہا ہے ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدم کہ بہار آخر شد

دارالعلوم میں عصر کی نماز پڑھ کر چھ سال سے "مسجد شیخ الحدیثؒ" میں "صحبتے با اہل حق" کی سعادتوں سے بہرہ ور ہونے کی طبیعت بن گئی تھی یا صبح گیارہ بجے دفتر اہتمام میں حضرت شیخؒ کے ذاتی خطوط کے جوابات لکھ کر ان کی خدمت میں پیش کرتا تو اس طرح دل بے تاب کو نظر شفقت اور نگاہ دلنوازسے قرار حاصل ہو جایا کرتا تھا۔ یہ عادت تھی یہ روزانہ کا معمول تھا اور یہی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی ...... اور اب بھی ہے مگر پہلے سے مختلف۔ ۷ ستمبر سے پہلے جب صحبت شیخؒ میں حاضری کے لئے قدم اٹھتے تھے تو کتنا اشتیاق ہوتا تھا، کیسا قوی اور کامل یقین، کہ دکانِ معرفت اور مکتب علم وعرفان کھلا ہوا ہے۔ مطب روحانی گرم ہے ہم بیماروں کے جاتے اور پہنچتے ہی مرہم شفا ہاتھ میں ہو گا۔ ہر درد

---

[1] "صحبتے با اہل حق" کے عنوان سے اب تک شائع شدہ مسودات کو کتابی ترتیب دے کر مستقل کتاب کی صورت میں شائع کرنے کے پیش نظر کاتب کے حوالے کر دیا ہے جو قریبی ایام میں منظر عام پر آجائے گی۔ انشاءاللہ۔ علاوہ ازیں حضرت شیخؒ کے مختلف مجالس کے افادات جو وقتاً فوقتاً نوٹ ہوتے رہے اسی عنوان کے تحت آئندہ بھی الحق میں شائع ہوتے رہیں گے، انشاءاللہ۔

کی دوا ہر فکر وغم سے تشفی۔ ہر رنج واندوہ سے نجات کا سامان ــــ مگر اب کی حاضری کی رُت بدلی ہوئی ہے آج قسمت پلٹی ہوئی ہے وہ دکانِ معرفت اور مکتب علم وعرفان بند۔ مطب روحانی اجاڑ۔ شفا کے بجائے حسرت شفا۔ دوا کی جگہ دوا کی یاد اور مکین کے عوض صرف مکان۔ خوشگوار یادوں، صحبتے با اہل حق کے افادات اور ملفوظات کا محفوظ رہ جانا بھی اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔

اور اب گذشتہ صحبتوں کی حسرتیں مٹانے۔ پرانی عادت نبھانے اور تسکین قلب کا سامان بنانے کے لئے حاضری ہوتی ہے تو مزار پر۔ اور مزار؟ آہ! مزار! نہ کوئی بلند گنبد، نہ کوئی کلس دار قبہ، نہ چار دیواری نہ آستانہ۔ نہ جنگلہ نہ کٹہرا، نہ پھول، نہ چادر، صدر مملکت جناب اسحاق خان، بعض گورنروں، مرکزی اور صوبائی وزیروں۔ بعض علاقائی ملکی اور قومی تنظیموں کی طرف سے اعترافِ خدمات اور قومی اعزاز کے طور پر جو پھولوں کی چادریں چڑھا بھی دی گئی تھیں۔ تو وہ بھی مولانا سمیع الحق نے اتروا دیں۔ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے تعامل میں اس کا ثبوت نہیں۔

بس ایک درمیانی درجے کی وسعت کا قبرستان، جانب جنوب میں تقریباً تین سو طلبہ کے حفظ و تجوید کی رفقا اور پرانوار عمارت۔ تقریباً وسطِ قبرستان میں معمولی سے رقبہ پر ایک سادہ سی قبر اور وہی اللہ کے اس شیر کی آرام گاہ۔ نہ سنگِ مرمر نہ کمرہ نہ چھت۔ صرف آسمان کی کھلی ہوئی چھت کے نیچے ایک نیچی سی کچی تربت۔ سادگی کی تصویر، اور صاحب قبر کی بے نفسی کا آئینہ۔ نہ لوح نہ کتبہ۔ چند قدم کے فاصلہ پر جانب مشرق میں حضرت شیخؒ کی رفیقۂ حیات آرام فرما ہیں۔ اور جانب مغرب میں دارالعلوم کے بے لوث خادم، حضرت شیخؒ کی زندگی میں ان کے بزم و رزم کے رفیق باختصاص دارالعلوم کے مرحوم ناظم اعلیٰ مولانا سلطان محمود۔ دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے قدیم ارکان جناب الحاج غلام محمد مرحوم۔ جناب الحاج حافظ نور بادشاہ مرحوم، پیشوائی کے شوق میں پہلے ہی سے پہنچے ہوئے ــــ سادگی اور بے کسی میں حضرت شیخؒ کی قبر ان سب قبروں سے پست ــــ زندگی میں بھی تو حضرت خود کو اپنے متوسلین سے پیچھے رکھتے تھے ــــ اب کی ان حاضریوں میں تصور کی آنکھ کیا کیا دیکھتی ہے۔ تخیل کے کانوں میں کیا کیا آوازیں آتی ہیں۔ کوئی کہے بھی تو کس زبان سے ع

این حدیثے رابیان دیگر است

اپنے اکابر اساتذہ اور مشائخ سے بارہا امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔ قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ۔ محدثِ جلیل علامہ انور شاہ کشمیریؒ۔ شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنیؒ۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ۔ شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کے آخری آرام گاہوں پر حاضری کے وقت وہاں کے حالات اور

کیفیات سنے تھے۔ بس کہنا چاہیئے کہ یہاں بعینہٖ وہی دیکھنے میں آئے۔ وہی نقشہ یہاں بھی ہو بہو موجود، وہی سوزش وہی شورش۔ وہی سکینت۔ وہی ٹھنڈک، وہی ہیبت۔ وہی جلال۔ وہی انس اور وہی جمال۔

اور اب جب حاضری ہوتی ہے تو دل کو نہ ختم ہونے والی داستان مسلسل ستاتی رہتی ہے۔ یوں آنا ہوتا تھا۔ یہاں بیٹھنا ہوتا تھا، یہ ارشادات ہوتے تھے۔ اس طرح کی شفقتیں ہوتی تھیں کیا کیا سننے میں اور کیا کیا دیکھنے میں آتا تھا۔ آہ! تو کیا تیرا بندہ بھی فانی تھا بے شک موت و فنا تو اس نامور خادم کے نامور آقا ﷺ تک کے لئے مقدر کر دی گئی تھی۔

وما محمدٌ الا رسول قد خلت	اور محمدؐ تو بس ایک رسول ہی ہیں ان سے
من قبله الرسل (آل عمران ۱۴۴)	قبل اور بھی رسول گذر چکے ہیں۔

یہ ایک آیت امت کی تسلی اور تعزیت کی کیسی پوری دنیا کی دنیا اپنے اندر آباد رکھتی ہے۔

مولانا محمد شہاب الدین صاحب ندوی
جنرل سکریٹری فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ۔ بنگلور

اسلام میں طلاق کا قانون
اور اس کا فلسفہ

اللہ تعالیٰ نے تمام حیوانات ونباتات کو جوڑ جوڑ بنا کر پیدا کیا ہے۔ یعنی تمام جانداروں کو نر و مادہ کے روپ میں ڈھالا ہے۔ تاکہ ان کے ملاپ سے ان کی نسلیں مشیت الٰہی کے تحت تسلسل کے ساتھ جاری رہیں۔ اور جدید تحقیقات کے مطابق یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ پیڑ پودوں میں بار آوری کا یہ عمل نہایت درجہ حیران کن طریقوں سے عمل میں آتا ہے۔ جو کار ساز عالم کی ربوبیت اور اس کی کرشمہ سازیوں کا ایک انوکھا روپ ہے۔

حیوانی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہر نوع اور ہر صنف میں ایک دوسرے کے لئے کشش والفت رکھ دی ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کی طرف کھنچ سکیں۔ اور ان کے درمیان میل ملاپ کا سلسلہ جاری رہے۔ مگر جہاں تک نوع انسانی کا تعلق ہے۔ اس پر خالق کائنات نے چند قیود و پابندیاں عائد کر کے دیگر انواع حیات کے برعکس آزاد جنسی تعلق کو ممنوع قرار دیا ہے۔ کیونکہ انسان محض ایک حیوان یا کوئی پیڑ پودا نہیں بلکہ اشرف المخلوق ہے جس کو ذہنی و اخلاقی شعور سے بھی سرفراز کیا گیا ہے۔ اور اسی ذہنی و اخلاقی شعور کی بنا پر اسے ایک ذمہ دار اور مہذب ہستی قرار دیا گیا ہے۔ اور اس منصب سے دیگر تمام انواع حیات محروم ہیں۔

مجرد جنسی لذت طلبی ممنوع اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کے لئے جب آزاد جنسی تعلق کو ممنوع قرار دیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اب ایک محدود ازدواجی زندگی گذارے۔ اور اس کے لئے اس نے نکاح کا ضابطہ تجویز کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام آسمانی مذاہب میں لوگوں کو نکاح کی ترغیب دی گئی ہے۔ اور " سفاح " یعنی بغیر نکاح کے کسی عورت سے جنسی تعلق قائم کرنے (زنا کاری) سے منع کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مردوں اور عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو محض جنسی لذت کی خاطر بے راہ روی میں مبتلا ہوں اور آزاد جنسی تعلقات کے خواہشمند ہوں۔ یا محض تنوع اور لطف اندوزی کی خاطر میاں بیوی کو طلاق دینے والا اور بیوی میاں سے طلاق طلب کرنے والی ہو۔ چنانچہ ارشاد رسول ہے۔

لَعَنَ اللّٰہُ الذَّوَّاقِیْنَ وَالذَّوَّاقَات	اللہ لعنت کرے جنسی چسکہ اٹھاتے رہنے والے مردوں اور ایسی عورتوں پر۔

غرض اسلام میں جس طرح آزاد جنسی تعلق اور خفیہ آشنائی و داشتہ گری کی ممانعت ہے اسی طرح جنسی عیاشی کی خاطر اپنی منکوحہ عورت کو بلا وجہ طلاق دے کر کسی دوسری عورت سے بیاہ رچانا بھی سخت ناپسندیدہ فعل ہے چنانچہ سورۂ نساء میں جہاں پر محرمات (وہ عورتیں جن سے کسی صورت میں نکاح نہ ہو سکے) کا بیان آیا ہے وہاں پر یہ بھی جتا دیا گیا ہے کہ باقی عورتیں (غیر محرمات) صرف اسی صورت میں حلال ہو سکتی ہیں جب کہ وہ قیدِ نکاح میں آ چکی ہوں۔ یعنی آزاد شہوت رانی نہ پائی جاتی ہو۔

وَ اُحِلَّ لَکُمْ مَاوَرَاءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ	اور ان (محرمات) کے سوا باقی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں، اس طرح کہ مال خرچ کر کے ان سے نکاح کر لو بشرطیکہ اس سے مقصود عفت قائم رکھنا ہو نہ کہ شہوت رانی کرنا (نساء ۲۴)

اس کی مزید وضاحت سورہ مائدہ میں اس طرح کی گئی ہے۔

اِذَا اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْ اَخْدَانٍ (مائدہ ۵)	جب کہ تم ان عورتوں کے مہر انہیں دے دو اس طور پر کہ تم قیدِ نکاح میں آ جاؤ نہ کہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والے

<u>زناکاری میں معاشرے کی تباہی</u> | اس اعتبار سے اسلامی شریعت میں نکاح کی ترغیب دی گئی ہے اور بے نکاحی جنسی تعلقات یعنی زناکاری کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ اسلام میں زناکاری ایک سخت ترین معاشرتی گناہ اور قابلِ تعزیر جرم ہے۔ اگر کوئی شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت اس فعل بد میں مبتلا ہو جائیں تو اس کی سزا ان دونوں کی سنگساری ہے۔ لہٰذا اپنی جنسی خواہش کو پورا کرنے کے اسلام مرد اور عورت کو حلال طریقہ اختیار کرنے یعنی نکاح کا ذریعہ اپنانے کی تاکید کرتا ہے۔ تاکہ معاشرے میں بداخلاقی اور جنسی مفاسد فروغ نہ پائیں جو اس کی تخریب و تباہی کا باعث ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس معاشرے میں آزاد جنسی تعلقات یا زناکاری کا دور دورہ ہو اس کا خاندانی نظام ٹوٹ جاتا ہے لاوارث اور حرامی بچوں کی بہتات ہو جاتی ہے۔ افراد معاشرے کی اخلاقی حالت گر جاتی ہے۔ اور وہ بہت سے امراض خبیثہ کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ آج مغربی ممالک میں جنسی انارکی اور انتشار کی بدولت حالات بد سے بدتر ہو گئے ہیں۔ اور اس سلسلے میں جو اعداد و شمار ہمارے سامنے آتے ہیں وہ حد درجہ ہولناک ہیں۔ اسی وجہ سے اسلام میں آزاد جنسی تعلقات یا زناکاری کی سخت سے سخت سزا تجویز کی گئی ہے تاکہ لوگوں کو اس سے عبرت حاصل

ہو۔اور اس کی برائی ان کے ذہن و دماغ میں بیٹھ جائے ۔

طلاق کا جواز کس لئے جس طرح ایک سماجی بندھن ہے جو مرد اور عورت کو ایک رشتہ میں منسلک کر دیتا ہے ۔ اسی طرح طلاق ایک ایسا اعلان ہے جو دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے ۔ نکاح کا مقصد گھریلو تعلقات کی استواری اور طرفین کا اپنی اپنی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کرتے رہنا ہے ۔ مگر بعض اوقات اختلاف مزاج یا طرفین میں سے کسی کے ظلم و زیادتی یا دیگر وجوہات کی بنا پر اپنی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کرنا ممکن نہیں رہتا ۔ ایسی صورت میں جب معاملہ حد سے بڑھ جائے ۔ اور کسی اصلاح کی امید ہی باقی نہ رہ جائے تو پھر شریعت اجازت دیتی ہے کہ طلاق یا خلع کے ذریعہ اس معاشرتی بندھن سے چھٹکارا حاصل کر لیا جاتے ۔ بلکہ بعض اوقات شر سے بچنے کے لئے اس قسم کا چھٹکارا حاصل کر لینا ہی زیادہ بہتر ہوتا ہے ۔ تاکہ مزید خرابیاں پیدا نہ ہونے پائیں ۔

اسلام عیسائیت اور قدیم ہندومت کی طرح طلاق کو قانوناً ناجائز قرار نہیں دیتا ۔ جن کی نظروں میں طرفین کو سوائے موت کے کوئی چیز ایک دوسرے کو جدا نہیں کر سکتی ۔ ظاہر ہے کہ نکاح سے مقصود ازدواجی تعلقات کی خوشگواری اور خاندانی و عائلی نظام میں رخنہ پڑنے کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو پھر ایسا بندھن کس کام کا جو ایک رستا ہوا ناسور اور معاشرہ کا پھوڑا بن جائے ؟ ظاہر ہے کہ نکاح کا مقصد صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کسی نہ کسی طرح ایک رشتے میں بندھے رہیں ۔ خواہ ان کے باہمی تعلقات کتنے ہی خراب کیوں نہ ہو گئے ہوں ! طبیعتوں اور مزاجوں کا اختلاف ایک امر واقعہ ہے ۔ اس کے علاوہ بعض مخصوص سماجی عوامل ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس اختلاف کو اور زیادہ ہوا دینے والے ہوتے ہیں ۔ مثلاً طرفین کے خاندانی روابط میں بگاڑ اور ایک دوسرے کے ساتھ مخالفانہ و مخاصمانہ رویہ وغیرہ ۔ اور بعض اوقات یہ تمام اسباب و عوامل مل کر مرد کو طلاق دینے پر اور عورت کو خلع حاصل کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں ۔

اسلام چونکہ ایک فطری اور عقلی مذہب ہے اس لئے اس کے تمام احکام بھی علم و حکمت سے لبریز ہیں چونکہ اسلام نے آزادانہ جنسی تعلق یا زناکاری کو حرام اور قابلِ تعزیر جرم قرار دیا ہے ۔ لہٰذا جب میاں بیوی کے تعلقات بگڑ جائیں اور ان دونوں میں کسی بھی طرح صلح نہ ہو سکے تو بہتر یہی ہے کہ ان دونوں کا راستہ الگ الگ کر دیا جائے ۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اس کشیدہ اور ابتر صورت میں زبردستی ان کو باندھ کر رکھنے کا نتیجہ زناکاری یا خفیہ جنسی تعلق کا دروازہ کھولنا ہوگا مگر اسلام نے چونکہ پہلے ہی اس پر بندش لگا دی ہے تو اب دوسرا راستہ سوائے طلاق کے اور کچھ نہیں ہے اور اسی میں ان دونوں کا بھلا ہے یہ ہے اسلام میں عقلی اعتبار سے طلاق کی حکمت ۔

طلاق سخت ناپسندیدہ چیز مگر اس موقعہ پر یہ بات بھی خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ نکاح اگرچہ بظاہر ایک معاشرتی و عمرانی معاہدہ نظر آتا ہے ۔ مگر درحقیقت وہ تجارتی معاملات کے برعکس تعبدی حیثیت کا حامل بھی دکھائی دیتا ہے

کیونکہ وہ ایک اعتبار سے سنت و عبادت کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ یعنی اس میں یک گونہ مذہبی تقدس کا عنصر بھی شامل ہے اگرچہ وہ ایک "اٹوٹ بندھن" نہ ہو۔ اسی وجہ سے دیگر تمدنی معاملات کے برعکس نکاح کے بندھن کو بلا وجہ توڑنا یعنی طلاق دینا اسلام کی نظر میں سخت ناپسندیدہ بات ہے۔ کیونکہ وہ حقیقتاً دو خاندانوں کے بگاڑ کا سبب ہے جس کی وجہ سے بسا اوقات معاشرے میں سخت قسم کا انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کو حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں چند حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احل اللہ شیئًا ابغض الیہ من الطلاق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ کسی چیز کو حلال نہیں کیا[1]

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا معاذ! ما خلق اللہ شیئًا علی وجہ الارض احب الیہ من العتاق۔ ولا خلق شیئاً علی وجہ الارض ابغض الیہ من الطلاق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے معاذ! اللہ نے روئے زمین پر غلام کو آزاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ کوئی چیز پیدا نہیں کی اور اسی طرح روئے زمین پر طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی دوسری چیز بھی پیدا نہیں کی[2]

انّ من ابغض الحلال الی اللہ الطلاق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے سخت ناپسندیدہ چیز طلاق ہے[3]

تزوّجوا ولا تطلّقوا، فانّ الطلاق یھتزّ منہ العرش

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح کرو اور طلاق مت دو کیونکہ طلاق کی وجہ سے عرش ہلنے لگتا ہے[4]

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ اسلام میں نکاح کی حیثیت نہ تو قدیم عیسائیت اور ہندو مت کی طرح "جنم جنم کا بندھن" ہے اور نہ محض ایک تمدنی یا سماجی بندھن کہ جب چاہا معاہدہ کر لیا اور جب چاہا توڑ دیا بلکہ ایسا کرنا یعنی "ذوّاقیت" یا محض لطف اندوزی کی خاطر نکاح کرتے رہنا سخت مذموم و معیوب ہے جیسا کہ

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطلاق، ۲/ ۶۳۱ مطبوعہ حمص (شام) [2] سنن دارقطنی کتاب الطلاق ۴/ ۳۵ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۸۶ھ [3] ثعلبی، منقول از تفسیر قرطبی ۱۸/ ۱۴۹ [4] ایضاً

بعض حدیثوں میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔

لا تطلقوا النساء الا من ريبة	عورتوں کو طلاق مت دو کسی (قوی) شبہ کے۔
فان الله عزوجل لا يحب	کیونکہ اللہ محض جنسی مزہ لینے والے مردوں اور
الذواقين والذواقات	جنسی مزہ لینے والی عورتوں کو پسند نہیں کرتا[1]

طلاق کب جائز اور کب ناجائز ہے حاصل یہ کہ طلاق دینے کے معاملے میں سخت احتیاط اور توازن کی ضرورت ہے طلاق نہ دینے کی صورت میں جس طرح خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں اسی طرح طلاق دینے کی صورت میں بھی بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے لہٰذا طلاق دینے سے پہلے ان دونوں پہلوؤں پر ہر اعتبار سے سوچ لینا چاہئے۔ اور علماء نے لکھا ہے کہ طلاق کے جائز یا ناجائز ہونے کے اعتبار سے اس کی چار مندرجہ ذیل قسمیں ہیں۔

۱۔ واجب ۲۔ مستحب ۳۔ حرام ۴۔ مکروہ

۱۔ طلاق اس واجب ہوتی ہے جب میاں بیوی کے جھگڑے میں فیصلہ کرنے والے ثالثوں کی رائے یہ ہو کہ ان دونوں کو الگ کر دینا ہی بہتر ہے۔

۲۔ طلاق مستحب اس وقت ہوتی ہے جب میاں بیوی متفق نہ ہوں۔ اور دونوں کے درمیان شدت اختیار کر لے۔ اس صورت میں گناہ سے بچنے کے لئے دونوں کا الگ ہو جانا ہی بہتر ہے۔

۳۔ طلاق ناجائز یا حرام اس صورت میں ہوتی ہے جب عورت مدخولہ (مباشرت کی ہوئی) ہونے کی صورت میں حیض کی حالت میں ہو یا اسے طُہر (عورت کی پاکی کی حالت) میں ہو جس میں وہ عورت سے مباشرت کر چکا ہو۔

۴۔ اور طلاق مکروہ (ناپسندیدہ) اس صورت میں ہو گی جب کہ میاں بیوی کے تعلقات درست (نارمل) ہوں اور دونوں ایک دوسرے کے حقوق ادا کر رہے ہوں[2]

اور بعض فقہا نے یوں لکھا ہے کہ:۔

(۱) طلاق اس وقت واجب ہوتی ہے جب مرد کسی جنسی عیب کی بنا پر اپنا وظیفہ طبعی ادا کرنے پر قادر نہ ہو۔ یا عورت کا نفقہ (خرچہ) ادا نہ کر سکتا ہو۔ اس صورت میں عورت کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے لئے طلاق کا مطالبہ کرے اور ایسی حالت میں مرد پر شرعاً واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ کیونکہ ایسی صورت میں عورت کو بداخلاقی یا بے آبروئی میں مبتلا ہونے یا کسی مشکل میں پڑ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔

---

[1] ثعلبی، منقول از تفسیر قرطبی ۱۸/ ۱۴۹

[2] تفسیر ابن جوزی ۱/ ۲۶۴ مطبوعہ دمشق نیز شرح مسلم از نووی ۱۰/ ۶۱۔ ۶۲ مطبوعہ۔

لاحق پڑ جاتے ہیں۔ اسی بنا پر یہ حالت ہفتہ عشرہ تک قائم رہتی ہے جو مردوں پر زیادہ تر شاق گزرتی ہے۔ اور وہ عورت کے پاک ہونے کی راہ دیکھتے رہتے ہیں۔ اب چونکہ شریعت نے یہ شرط رکھی ہے کہ عورت کو اگر طلاق دینا ہے تو اس کی پاکی کی حالت میں اور بغیر مباشرت کئے طلاق دو۔ تو اس شرط کو اکثر مرد پورا نہیں کر پائیں گے۔ نتیجہ یہ کہ طلاق کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ اس طرح طلاق دینے کو اسلامی شریعت میں "طلاق سنت" کہا گیا ہے۔ یعنی طلاق دینے کا صحیح اور اور مسنون طریقہ۔

اسی طرح طلاق کا سنت طریقہ یہ بھی ہے کہ طلاق دینا اگر ضروری ہو تو صرف ایک طلاق دی جائے (تین طلاقیں نہ دی جائیں) جس کی رو سے بعد میں عدت کے اندر رجوع کر کے (دی ہوئی طلاق واپس لے کر) مطلقہ کو پھر سے بیوی بنا لینے کا اختیار باقی رہتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص طلاق کی ان شرائط کو پورا کرتے ہوئے اگر طہر کی حالت میں اپنے نفس پر جبر کر کے طلاق دے بھی دے تو ایک طلاق (اور اسی طرح دو طلاق) دینے کی صورت میں اسے اپنے فعل پر شرمندہ ہونے کی نوبت نہیں آتی۔ اس طرح شریعت نے قدم قدم پر حکمت و مصلحت اور دانشمندی کا مظاہرہ کیا ہے تاکہ طلاق کی نوبت بہت کم آسکے۔ مگر تین طلاق ایک ساتھ یا ایک ہی طہر میں یا حیض کی حالت میں دے دینا لوگوں کی جہالت ہے جس کی وجہ سے رجوع کرنے کا موقع باقی نہیں رہتا۔

چنانچہ بیک وقت یا ایک ہی طہر میں یا حیض کی حالت میں طلاق دینے سے عورت فوری طور پر حرام ہو جاتی ہے جس کو اصطلاح میں "طلاق مغلظہ" کہتے ہیں۔ یعنی سخت طلاق۔ اور ایسی عورت کا حکم یہ ہے کہ جب تک وہ دوسرا نکاح کر کے دوسرے سے ہم بستری کے بعد طلاق حاصل نہ کر لے وہ پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں رہتی۔ یہ سخت ضابطہ شریعت نے اس لئے رکھا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاق ہرگز نہ دے۔ بلکہ اس کے نتائج پر اچھی طرح غور کر لے۔ لیکن اگر وہ یہ سخت قدم اٹھائے گا تو پھر بیوی بھی بطور سزا اس پر حرام ہو جائے گی۔

تین طلاق کا مسئلہ اسلامی شریعت میں طلاق کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ عورت کو سنت طریقے کے مطابق ایسے طہر کی حالت میں جس میں اس سے مباشرت نہ کی ہو۔ صرف ایک طلاق دے کر چھوڑ دے۔ یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے۔ اس کو اصطلاح میں "طلاق احسن" (سب سے اچھی طلاق) کہا جاتا ہے۔ اور طلاق سنت کی ایک دوسری قسم بھی ہے۔ جس کے مطابق عورت کو تین طہروں میں تین (ہر طہر میں ایک ایک) طلاق بھی دی جاسکتی ہے اور اسے "طلاق حسن" (اچھی طلاق) کہا جاتا ہے مگر اس صورت میں تیسری طلاق کے بعد عورت حرام (بائن مغلظہ) ہو جاتی ہے۔

ایسی طلاق جس میں رجوع کرنے کا حق باقی رہتا ہے وہ صرف ایک یا دو طلاق تک ہی ہوتا ہے جب کہ تین طلاقوں کے بعد عورت حرام (بائن مغلظہ) ہو جاتی ہے۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک

میں طلاقت ازبام نہ کیا جائے جس کی وجہ سے مزید خرابی اور مفسدہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ اسلام نے ان تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے مرد کو طلاق کا اور عورت کو خلع کا حق دیا ہے۔ جو ہر فرد کا شخصی و ذاتی حق ہے۔ اب اس شخصی و انفرادی حق کو حکومت یا عدالت کی طرف منتقل کرنا اور طلاق کی ضرورت کو عدالت کے ذریعے ثابت کرانے کی کوشش کرنا اسلام کے عطا کردہ شخصی و انفرادی آزادی کو چھیننے کے مترادف ہے۔ قرآن مجید تو اس مسئلے میں صاف کہتا ہے

اَلَّذِی بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ (بقرہ ۲۳۷) وہ شخص جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔

اس کی شرح میں ایک حدیث منقول ہے کہ عقدۂ نکاح کا مالک شوہر ہے [1]

اس کا مطلب یہ ہے کہ نکاح مکمل ہو جانے کے بعد نکاح کو قائم رکھنے یا ختم کرنے کا مالک شوہر ہے۔ اور وہی طلاق دے سکتا ہے۔

غرض طلاق دینے یا نہ دینے کا اختیار صرف شوہر کو ہے اور یہ حق کسی اور کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح وہ کسی کی اجازت پر بھی موقوف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس صورت میں اس کا یہ شرعی حق چھیننا یا اس پہ پابندی عائد کرنا ہوگا جو جائز نہیں ہے۔

طلاق کا صحیح طریقہ اور اس کی حکمت

مذاہب عالم اور خصوصاً یہودیت و عیسائیت میں نکاح و طلاق کے ضوابط کے سلسلے میں جو سختیاں موجود تھیں یا ان میں جو کوتاہیاں ہوئیں ان کے ازالے کے لئے اسلامی شریعت کو نہ صرف ایک کامل ضابطہ کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔ بلکہ اس کے ہر قسم کے نقص و عیب سے بھی محفوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ طلاق دینے کے متعدد شرائط رکھی گئی ہیں جن کو ملحوظ رکھنے کے باعث اول تو طلاق دینے کی نوبت ہی بہت کم آتی ہے۔ اور اگر آتی بھی ہے تو پھر دی ہوئی طلاق واپس لے کر مطلّقہ عورت کو دوبارہ اپنی بیوی بنانے کا موقع حاصل رہتا ہے۔

چنانچہ جب کوئی شخص کسی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دینے پر مجبور ہو جائے تو اصل اسلامی قانون کے مطابق اس کا سنت طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق نہ دے بلکہ پاکی کی حالت میں دے۔ اور پاکی کی حالت میں طلاق دینے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس نے اس دوران اپنی بیوی سے مباشرت نہ کی ہو۔ یعنی جس طہر (عورت کی پاکی کی حالت) میں وہ عورت کو طلاق دے رہا ہے اس میں اس سے ہم بستر ہوئے بغیر طلاق دے۔ اور اسلامی شریعت ان دو بنیادی شرائط کو عائد کر کے دراصل مرد کو طلاق دینے سے روکنا چاہتی ہے۔ وہ اس طرح کہ حیض کی حالت میں مباشرت کرنا طبی نقطۂ نظر سے سخت نقصان دہ بات ہے۔ جس کی وجہ سے بسا اوقات عورت کی جان کے

---

[1] دار قطنی، منقول از تفسیر قرطبی ۳/۲۰۶

۲۔ طلاق اس صورت میں حرام ہو گی جب اس کی وجہ سے شوہر کو اپنی عورت یا کسی اجنبی عورت کے ساتھ حرام کاری میں مبتلا ہونے یا لوگوں کے حقوق غصب کرنے کا اندیشہ ہو۔

۳۔ طلاق مکروہ اس صورت میں ہو گی جب بغیر کسی سبب کے دی جائے کیونکہ ایسا کرنا اصلاً ناجائز ہے۔

۴۔ اور طلاق مستحب اس وقت ہو گی جب عورت بد اخلاق ہو۔ چاہے وہ بدکار ہو یا گستاخ یا نماز روزہ وغیرہ فرائض ترک کرنے والی ہو۔ [1]

طلاق کا حق مرد ہی کو کیوں؟ غرض اس موقعہ پر ایک اہم سوال یہ ہے کہ طلاق دینے کا حق کس کو ہے؟ آیا مرد کو یا عورت کو؟ تو اسلام نے یہ حق اصلاً مرد کو دیا ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق سوچ سمجھ کر اس حق کو استعمال کرے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ فطری وطبعی اعتبار سے عورت کے مقابلے میں مرد میں تحمل، بُردباری اور دور اندیشی کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ اور اس لحاظ سے ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دینے سے پہلے ہزار بار اپنے مستقبل کے بارے میں سوچے گا کہ اسے طلاق دینی چاہیئے یا نہیں؟ اور جب وہ طلاق دینے کا فیصلہ کر ہی لے گا تو اس کا یہ فیصلہ طویل غور وخوض کا نتیجہ ہو گا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مرد کے اوپر عورت کے مقابلے میں ذمہ داریاں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ معاشی کفالت وخبر گیری کا بوجھ بھی اس کے کندھوں پر رہتا ہے۔ اور صاحب اولاد ہونے کی صورت میں تو وہ سراپا ذمہ دار بن جاتا ہے۔ لہذا وہ طلاق دینے سے پہلے ان تمام پہلوؤں پر اچھی طرح سوچ لیتا ہے کہ اس [illegible] کے نتیجے میں اسے کیا کیا نقصان ہو سکتے ہیں۔

اس کے برعکس اسلامی قانون کی رو سے عورت پر معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ نہیں ڈالا گیا اس وجہ سے عورت کو یہ حق نہیں دیا گیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر عورت کو بھی یہ حق دے دیا جاتا تو چونکہ وہ زیادہ جذباتی ہوتی ہے اس لئے وہ بغیر غور وفکر کے بات بات طلاق دیتی۔ پھر بھی اسلام نے عورت کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے خلع کا حق دیا ہے اگر وہ چاہے تو کسی معقول بنیاد پر مرد سے علیحدگی کا مطالبہ کر سکتی ہے اور اس اعتبار سے اسلامی شریعت نے نہایت درجہ دانشمندانہ طور پر عورت اور مرد دونوں کی فطرت اور طبیعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حد درجہ منصفانہ اور مناسب حال احکام جاری کئے ہیں۔

طلاق ایک پرائیویٹ معاملہ طلاق مرد اور عورت کا ایک پرائیویٹ معاملہ ہے کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کے رازداں ہوتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کی کمزوریوں سے بھی بخوبی واقف۔ لہذا بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر نوبت جب طلاق پر آجاتی ہے تو بہتر یہی ہوتا ہے کہ طلاق کے اسباب کو مخفی ہی رکھا جائے۔ ایک دوسرے کی کمزوریوں کو معاشرہ

---

[1] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/ ۲۹۷ مطبوعہ بیروت

طلاق دیتا ہے تو اسے عدت گزرنے سے پہلے رجوع کرنے کا حق حاصل رہتا ہے ۔ اور اسے اپنے فیصلے پر غور و خوض کرنے کا بھی کافی موقع ملتا ہے ۔ کیونکہ یہ مدت تین ماہ کی ہوتی ہے ۔ جس میں عورت کی جدائی اس پر بہت شاق گذرتی ہے ۔ مگر جب وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی نہیں کرتا یا اس دوران (عدت کے اندر) اگر دوسری طلاق بھی دے دیتا ہے تو اس سے ظاہر ہوگا کہ اس نے عورت سے جدا ہونے کا پکا فیصلہ کر لیا ہے ۔ اور اس بنا پر وہ مزید غور و خوض کو بیکار سمجھتا ہے اس کا یہ رویہ دو طلاقوں سے بخوبی ظاہر ہو جائے گا ۔ اور تیسری طلاق قطعی فیصلہ کر دے گی کہ اسے بیوی کی ضرورت ہے یا نہیں ؟ (یہ بات طلاق حسن کی صورت میں ہوگی ۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ :-

" طلاق دو بار ہے " (بقرہ ۲۲۹) یعنی طلاق رجعی دو بار ہے ۔ جس میں طلاق دینے والے کو غور کرنے کا کافی موقعہ مل جاتا ہے ۔ پھر اس کے بعد " یا تو سیدھے طریقے سے روک لینا ہے یا سیدھے طریقے سے رخصت کر دینا " (بقرہ ۲۲۹) اس طرح شریعت نے زیادہ سے زیادہ تین طلاقوں کی حد مقرر کی ہے ۔ اور اس میں بہت بڑی حکمت کار فرما ہے ۔ ظاہر ہے کہ اگر تین سے زیادہ مرتبہ طلاق دینے کا اختیار دیا جاتا تو اس صورت میں طلاق مرد کے لئے ایک ہتھیار یا ایک کھلونا بن جاتی ۔ اور تین سے کم کا اختیار دینے کی صورت میں غور و فکر یا اپنے فیصلے پر نظر ثانی کا موضوع باقی نہ رہتا۔[1]

طلاق چونکہ اصلاً مکروہ ہے اسی وجہ سے تین کے اندر رجوع کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اور تیسری طلاق کے بعد بیوی بطور سزا طلاق دینے والے پر حرام ہو جاتی ہے ۔ کیونکہ بیوی کے روپ میں اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا کی جو سب سے بڑی نعمت عطا کی تھی اس کی اس نے صحیح قدر نہیں کی ۔ بلکہ اس نعمت کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا ہے ۔ تو اب اسے اس کے شرعی نتائج بھگتنے ہی ہوں گے ۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص خدا کی ایک نعمت کو حقارت سے ٹھکرائے بھی اور وہ اس سے چمٹا بھی رہے ۔ یا اس انتہائی اقدام کے باوجود اسے اس نعمت سے مستفید ہونے کا موقع بھی دیا جاتا رہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک خلاف عقل بات ہوگی ۔ لہٰذا اب اس کی سزا یہ ہے کہ اب اس کی بیوی جب تک کسی دوسرے مرد کا منہ نہ دیکھ لے وہ پہلے کے لئے حلال نہیں ہو سکتی ۔ اور اس کے لئے بھی عورت کی رضامندی کے علاوہ نئے سرے سے اور نئے مہر کے ساتھ نکاح ضروری ہے ۔ اور شریعت کا یہ پورا ضابطہ حکمتوں اور مصلحتوں سے بھرا ہوا ہے ۔[2]

<u>طلاق رجعی کی حکمت</u> | طلاق رجعی (لوٹانے والی طلاق جو تین سے کم ہو) میں نکاح نہیں ٹوٹتا ۔ بلکہ باقی رہتا ہے جب تک عدت ختم نہ ہو جائے ۔ بخلاف طلاق بائن کے جس میں نکاح باقی نہیں رہتا لہٰذا طلاق رجعی کی صورت میں شریعت

---

[1] شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ ۲/۱۳۹ میں اس موضوع پر جو اجمالی بحث کی ہے اس کی یہ شرح ہے ۔ [2] امام ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ ۳۲/۳۲۱ میں جو اجمالی اشارہ کیا ہے اس کی یہ شرح و تفصیل ہے ۔

نے مرد کو عورت کی عدت ختم ہونے سے پہلے رجعت کرنے (دی ہوئی طلاق کو واپس لینے) اور مطلقہ کو پھر سے بیوی بنا لینے کا اختیار دیا ہے۔ تاکہ اگر کسی نے جلد بازی میں یا کسی فوری جذبے کی وجہ سے طلاق دے دی ہو تو اس کی تلافی کا موقع باقی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی قانون کی رو سے عدت کی حالت میں کسی غیر شخص کے لئے مطلقہ کو نکاح کا پیغام بھیجنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے ان دونوں کی اصلاح پر اثر پڑ سکتا ہے۔

طلاق سے پہلے صلح صفائی

شریعت نے یہ تمام مصلحتیں نہایت دور اندیشی کے ساتھ رکھی ہیں۔ تاکہ معاشرے کی اصلاح اور سدھار کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ موقع بھی ہاتھ سے جانے نہ پائے۔ اور یہ ساری مصلحتیں ایک صحیح اور سچے مذہب ہی کی نشانی ہو سکتی ہے۔ مگر آج کل عام طور پر طلاق دینے کا جو غلط طریقہ رائج ہو گیا ہے اس کی وجہ سے اصلاح اور نظر ثانی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ یعنی بیک وقت یک بیک لفظ تین طلاق دینا اور اس طرح طلاق دینا اسلامی شریعت کی نظر میں خلاف سنت اور سخت گناہ کا باعث ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ میاں بیوی کا تعلق زندگی بھر کے لئے ہوتا ہے۔ اور وہ دونوں ایک دوسرے کے رفیق کار اور مونس وغم خوار ہوتے ہیں۔ بیوی اگر کچھ خامیاں ہوں تو کچھ خوبیاں بھی ہوتی ہیں جس طرح کہ خود میاں میں اگر کچھ خوبیاں ہوں تو کچھ خامیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ لہذا دونوں کو برداشت کرنے کی عادت ہونی چاہئے۔ ورنہ زندگی کی گاڑی آگے نہیں بڑھ سکے گی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ انسان میں سو فیصد خوبیاں ہی خوبیاں پائی جائیں۔ اور وہ پوری طرح فرشتہ نظر آئے۔ لہذا قرآن مردوں کو حقیقت پسندانہ نقطہ نظر اپنانے کی دعوت دیتے ہوئے عورتوں کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرنے اور ان کی بعض ناپسندیدہ عادتوں نظر انداز کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ (نساء ۱۹)

لیکن پھر بھی اگر زوجین کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے جو نزاع کی صورت اختیار کر لے تو اس وقت وہ حکم دیتا ہے کہ طرفین کی جانب سے ایک پنچ بیٹھ کر ان دونوں کے اختلافات کا فیصلہ کرے (نساء ۳۵)

اس کے باوجود بھی اگر اصلاح نہ ہو تو پھر آخری چارۂ کار کے طور پر طلاق کی اجازت دیتا ہے مگر تاکید ہے کہ سنت طریقے کے مطابق صرف ایک طلاق دی جائے تاکہ بعد میں دوبارہ مصالحت اور ملاپ کی گنجائش باقی رہے۔ ورنہ تین طلاق سے رشتۂ ازدواج پوری طرح منقطع ہو جاتا ہے۔

طلاق اصلاً فساد تمدن کا باعث

طلاق چونکہ حقیقتاً فساد معاشرت اور فساد تمدن کا باعث ہے اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے اور اس فعل سے صرف شیطان اور اس کے کارندوں ہی کو خوشی ہو سکتی ہے۔ شیطان اور اس کے کارندے چاہتے ہیں کہ میاں بیوی میں پھوٹ پڑ جائے۔ جس کے نتیجے میں ایک خاندان ٹوٹ کر تباہ ہو جائے۔ ایک خاندان چونکہ معاشرے کی ایک اکائی (یونٹ) ہوتا ہے۔ لہذا جب کسی معاشرے کی اکائیاں بکھر جائیں تو پھر ظاہر ہے کہ ایسا معاشرہ پنپ نہیں سکتا۔ جیسا کہ آج مغربی ممالک کا حال ہے۔ جو طلاقوں کی کثرت بلکہ بھر مار کے باعث

آج اپنے زوال کے انتہائی منازل طے کر رہا ہے۔ اور اس کے اعداد و شمار حد درجہ ہولناک ہیں۔

اور اس سلسلے میں دوسری بات یہ ہے کہ جب کوئی خاندان ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے تو اس سے طرح طرح کے معاشرتی فتنے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اخلاقی برائیاں پھیلتی ہیں۔ جو تمدن و معاشرے کے استحکام میں رخنے پیدا کرتی ہیں اور اس اعتبار سے بھی آج مغربی ممالک کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔

اس سلسلے کی تیسری حقیقت یہ ہے کہ نکاح کے ذریعہ دو بیگانہ خاندانوں کے درمیان نسبی اور سسرالی حیثیت سے جو نیا رشتہ قائم ہوا تھا اور ان دونوں کے درمیان جو اتحاد اور یگانگت پیدا ہوئی تھی وہ طلاق کی بدولت آن کی آن میں ختم ہو جاتی ہے۔ اور ان دونوں میں مستقل نفرت اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔

اسی وجہ سے ابلیس کا کوئی کارندہ جب میاں بیوی کے درمیان پھوٹ اور نفاق پیدا کر کے ان دونوں کو جدا کر دیتا ہے تو ابلیس اس فعل کو اس کارندہ کا ایک کارنامہ تصور کرتے ہوئے اس کی پیٹھ ٹھونکتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے پھر وہ اپنے کارندوں کو بھیجتا ہے (تاکہ وہ لوگوں کو گمراہ کریں) تو ان میں اس کا مقرب ترین کارندہ وہ ہوتا ہے جو سب سے زیادہ فتنہ گر ہو۔ چنانچہ جب کوئی کارندہ آکر اسے یہ رپورٹ دیتا ہے کہ اس نے فلاں فلاں کام کیا ہے تو وہ کہتا ہے کہ تو نے کچھ نہیں کیا۔ پھر ان میں کا ایک کارندہ آکر کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی پیدا کر دی ہے تو وہ اسے قریب کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں تو نے واقعی کچھ کام کیا ہے[1]

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں بلا وجہ طلاق دینا تو درکنار طلاق کا نام تک زبان پر لانے کی سخت ممانعت ہے۔ اور اسی بنا پر ہنسی مذاق کی طلاق کو بھی نافذ قرار دیا گیا ہے۔ تاکہ کوئی بھولے سے بھی اس کا تصور یا تلفظ نہ کرے۔ غرض طلاق پر بندش عائد کرنے کے جتنے بھی عقلی طریقے ممکن ہو سکتے تھے ان سب کو اسلامی شریعت نے اختیار کیا ہے۔

طلاق ایک معقول اور سائنٹیفک قانون

اس بحث سے بخوبی واضح ہو گیا کہ اسلامی شریعت ایک معیاری، معقول اور متوازن شریعت اور ایک سائنٹیفک قانون ہے جو آزاد جنسی تعلقات اور "ذواقیت" (جنسی مزہ چکھنے پھرنے) پر پابندی عائد کرتے ہوئے صرف نکاح کی حدود میں اپنی جنسی خواہش پورا کرنے پر زور دیتی ہے۔ اور غیر نکاحی طریقوں سے اجتناب کرنے کی تاکید کرتے ہوئے ہر مرد اور عورت کو پاکیزہ زندگی بسر کرنے پر ابھارتی ہے۔ اور طلاق کی اجازت سخت مجبوری کی حالت میں دیتی ہے جب کہ اصلاح معاشرہ کے نقطۂ نظر سے اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ

---

[1] صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین ۴/۲۱۶۷ مطبوعہ ریاض۔

رہ جائے۔ ظاہر ہے کہ اس اعتبار سے یہ قانون " دورِ وحشت" یا "قرونِ مظلمہ" کی کوئی یادگار نہیں بلکہ ایک معقول اور سائنٹیفک قانون ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک زندہ اور ترقی یافتہ مذہب اور ایک صالح و متوازن معاشرے کے لئے قانون طلاق کو قبول کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا کی اکثر و بیشتر متمدن قومیں جو عصرِ حاضر تک اس قانون کو قبول کرنے سے انکار کرتی رہیں وہ بھی اب بیسویں صدی میں اسے قبول کرنے پر مجبور نظر آرہی ہے۔ اور اس سلسلے میں عیسائیت اور ہندومت کی واضح مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کا قانون اور رواج کوئی دقیانوسی چیز نہیں بلکہ موجودہ ترقی یافتہ دور کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اور اسلام دنیا کا پہلا مذہب ہے جس نے چودہ سو سال پہلے ایک مکمل، معقول اور سائنٹیفک ضابطہ پیش کرکے عصرِ جدید کی بخوبی رہنمائی کی ہے۔ اور موجودہ ترقی یافتہ دنیا کو جلد بدیر اس مکمل ضابطہ کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ضابطہ ہر قسم کے افراط و تفریط سے پاک جامع اور حکیمانہ ضابطہ ہے جس میں مرد اور عورت دونوں کے حقوق کی پوری پوری رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے اور اس میں عورت پر ظلم یا اس کے حقوق پر دراندازی کا کوئی شائبہ بھی موجود نہیں ہے۔ جیسا کہ آج مخالفین اسلام بطور پروپیگنڈہ کہتے ہیں۔ بلکہ یہ قانون آج اکثر صورتوں میں عورت کی جان بچاتا ہے۔ اور خاص کر ہندوستان میں، جہاں پر جہیز کی وبا کے سبب سے ہزاروں عورتوں کو دن دہاڑے جلا کر یا گلا گھونٹ کر مار دیا جاتا ہے۔ اگر ہندو مذہب میں طلاق کا قانون عام ہوتا تو یہ صورت حال کبھی نہ پیش آتی۔ بلکہ بے کس و مظلوم عورتوں کی جان بچ جاتی۔

خلاصہ بحث حاصل یہ کہ ایک صالح معاشرہ کی تعمیر کے لئے بعض اوقات طلاق کا ضابطہ نہایت ضروری ہوتا ہے۔ ہاں البتہ اس کا غلط استعمال خرابیاں پیدا کر سکتا ہے۔ لہذا اس معاملے میں افراط اور تفریط سے بچتے ہوئے اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ نکاح کا مقصد محض یہ نہیں ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے کے ساتھ بندھے رہیں۔ خواہ ان دونوں کے باہمی روابط کتنے ہی کشیدہ کیوں نہ ہوں بلکہ مقصودِ حقیقی یہ ہے کہ ان دونوں کے ملاپ سے ایک اچھی اور خوشحال زندگی وجود میں آئے۔ اور وہ دونوں اپنی زندگی کا سفر ایک دوسرے کے حقوق و واجبات کو ادا کرتے ہوئے خوش اسلوبی کے ساتھ طے کریں۔ لیکن جب دونوں کے تعلقات سخت کشیدہ ہو جائیں۔ جس کی بنا پر یہ اندیشہ ہو جائے کہ وہ اللہ کی مقرر کردہ حدوں (حدود الٰہی) کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو اس صورت میں ان دونوں کا الگ ہو جانا ہی معاشرے کے حق میں بہتر ہوگا۔ اور اس قسم کے سخت حالات میں بھی علیحدگی کا دروازہ نہ کھولنا انسان سے اس کے آزادانہ حق انتخاب کو چھیننے کے مترادف ہوگا۔ ظاہر ہے جب کسی انسان کی ازدواجی زندگی اجیرن ہو گئی ہو اور وہ متوقع خوشیوں اور مسرتوں سے محروم ہو چکا ہو، مگر اس کے باوجود بھی اگر اسے علیحدگی کا حق نہ ملے تو اس کے سامنے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں۔ یا تو وہ خودکشی کرے یا جنون کا

(باقی ص ۵۶ پر)

محفوظ قابلِ اعتماد مستعد بندرگاہ

بندرگاہ کراچی

جہازرانوں کی جنت
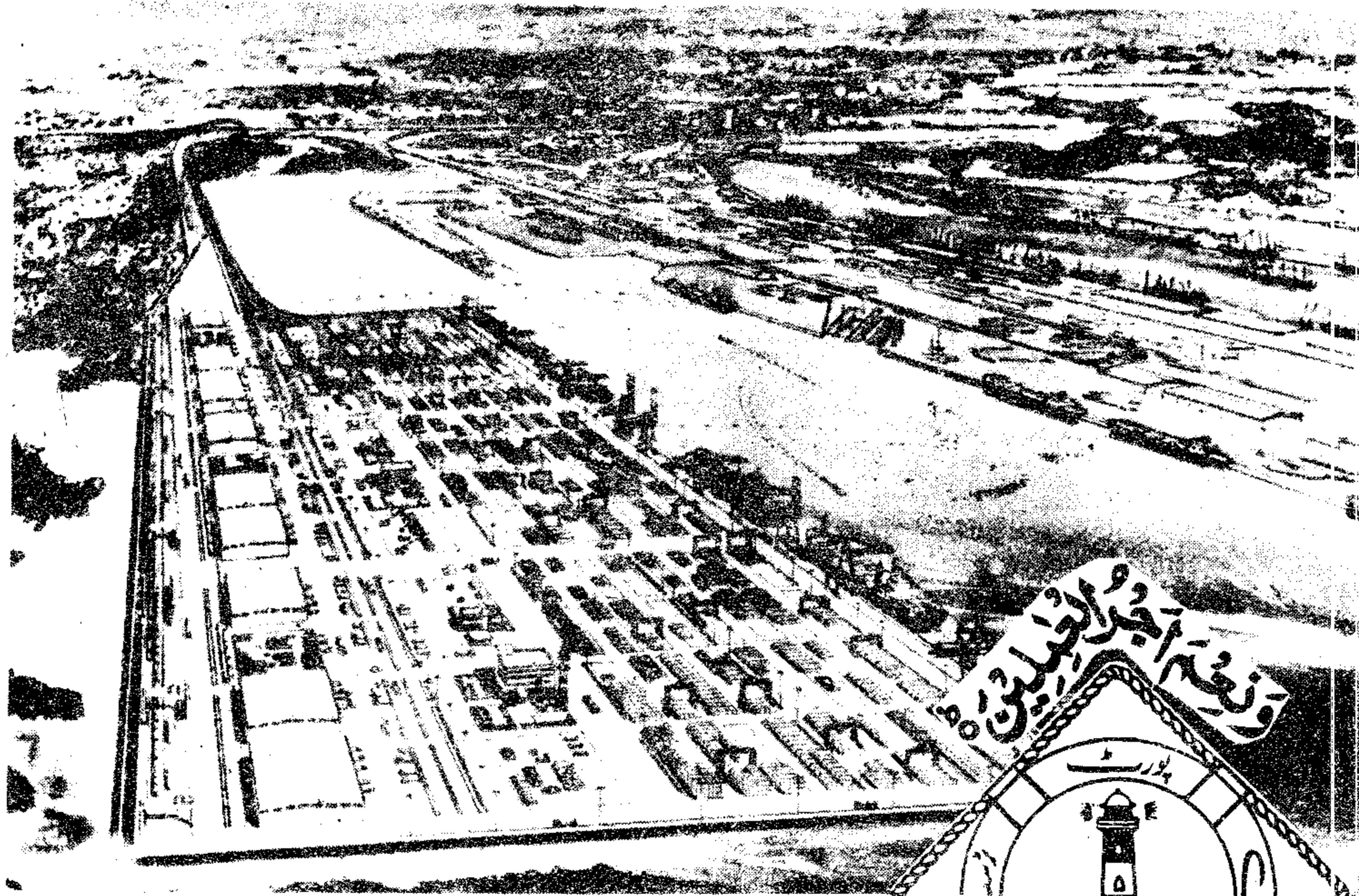
بندرگاہ کی خدمات کے جدید انداز کے ساتھ
عالمی تجارت کے لئے پُرکشش
پاکستانی معیشت کی تعمیر کے لئے کوشاں

ہماری کامیابیوں کی بنیاد

- انجنیئرنگ میں کمالِ فن
- جدید ٹیکنالوجی
- مستعد خدمات
- باکفایت اخراجات
- مسلسل محنت

۲۱ ویں صدی کی جانب رواں

بمع

جدید مربوط کنٹینر ٹرمینلز
نئے میرین پروڈکٹس ٹرمینل
بندرگاہ کراچی ترقی کی جانب رواں

KPT - 4 / 88. PID - Islamabad

ایگل
ایک عالمگیر
قلم
EAGLE
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کے
سفید
اریڈیم ٹپڈ
نب کے
ساتھ
ہر
جگہ
دستیاب
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی (پرائیویٹ) لمیٹڈ
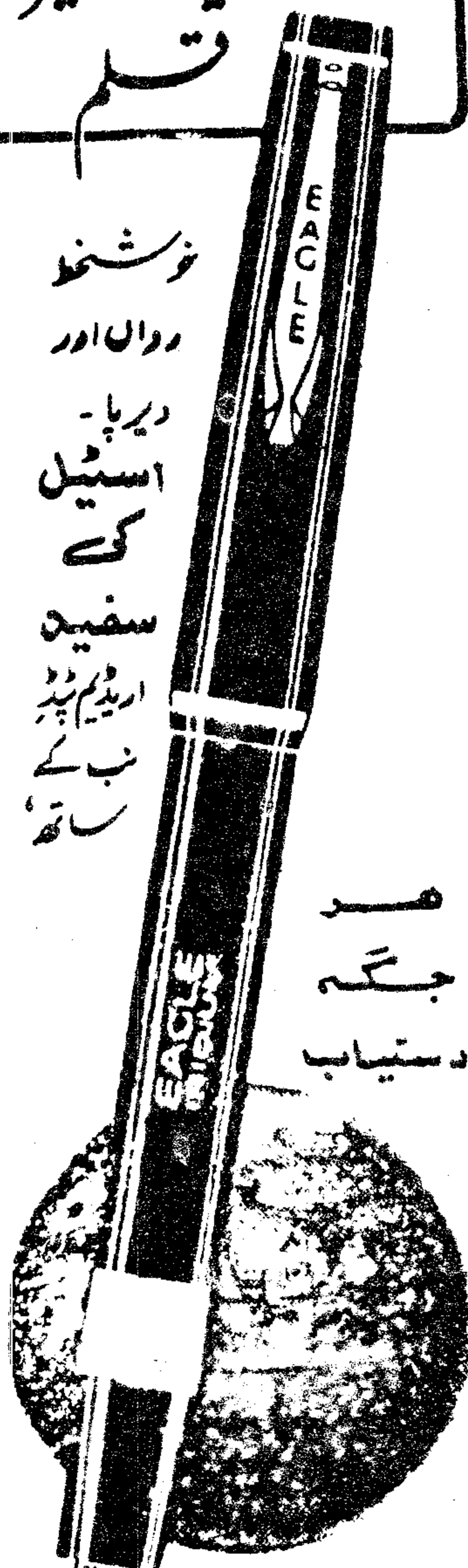
دلکش
دلنشیں
دلفریب
حسین
کے
پارچہ جات
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حسین ٹیکسٹائل ملز
حسین اینڈ سنز لمیٹڈ کراچی

پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
سہراب

ادارہ

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے سانحہ ارتحال پر

ہمہ گیر سوگ اور عالمی تعزیت

مولانا محمد صادق صاحب
مترجم فتاوی عالمگیری

بڑے حضرت جی کے سانحہ انتقال سے یہاں ہم سب کو ازحد افسوس ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
علم وزہد کی دنیا میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ اسلام کا ایک بہت بڑا جرنیل رخصت ہو گیا ہے جنہوں نے لاتعداد مجاہدین سر بکف تیار کئے جنہوں نے علوم دینیہ کی ایسی قندیلیں روشن کیں جو رہتی دنیا تک فروزاں رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اور درجات بلند فرمائے۔ اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ والحمد نبیہ صلی اللہ علیہ وسلمؐ۔

حضرت مولانا محمد موسیٰ البازی مدظلہ
جامعہ اشرفیہ لاہور

حضرت شیخ المشائخ کی رحلت یقیناً ایک عظیم ملی دینی قومی حادثہ کا رنجہ ہے۔ آپ کے والد تھے۔ باعتبار ظاہر اور ہمارے والد و مربی تھے روحاً وعلماً ودیناً واخلاقاً اس غم میں ہم سب آپ کے ساتھ شریک ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ہ

جناب کے والد شیخ المشائخ کی رحلت سے ہم سارے بلکہ جمیع اہل پاکستان ظل رحمۃ اللہ وبرکات اللہ سے محروم ہوئے اور یتیم ہوئے۔

نموت جمیعاً کلنا غیر ماشک لا ولا احد یبقی سوی مالک الملک

یہ دنیا دار فراق ہے۔ اللہ تعالیٰ دار القرار جنت الفردوس میں شیخ المشائخ مرحوم کی صحبت ولقا ہمیں نصیب فرمائے آمین

وانا لفی دار الفراق فلن نری بہا احداً ما عاش مجتمع الشمل

درس حدیث میں حضرت مرحوم کے لئے اور آپ حضرات کے لئے طلبہ سے دعا کرائی۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ مرحوم کو جنت الفردوس میں مقامات عالیہ و مراتب سنیہ نصیب فرمائے آمین۔ حضرت الشیخؒ اگرچہ بظاہر ہم سب سے جدا ہوئے۔ لیکن ایسے بزرگ حیات جاودانی سے سرفراز ہوتے ہیں۔ حضرت المرحوم المغفور آثار صالحات مکارم باقیات۔ دار العلوم حقانیہ خدمات علمیہ دینیہ قومیہ۔ ہزارہا تلامذہ وتلامذہ تلامذہ وان سلفوا وبعدوا۔ تصانیف وامالی قیمہ۔ ان کے علاوہ آپ جیسے جانشین عالم کامل عامل صالح جامع فضائل وفواضل شتی کے پیش نظر زندہ تابندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمت وتوفیق دے تاکہ آپ کے ذریعہ اسوۂ حقانیہ۔ مکارم حقانیہ۔ فیوض حقانیہ دار العلوم حقانیہ کا سلسلہ قائم ودائم رہے۔ آمین

میں آپ کے لئے دعا گو ہوں۔ حضرت شیخ مرحوم کے بعد آپ کا وجود موجب طمانیت قلب وسکون ہے۔ آپ سے بھی دعا کی درخواست کرتا ہوں۔

مولانا محمد قاسم قاسمی
جامعہ قاسم العلوم فقیر والی

آنجناب کے والد ماجد استاذ الاساتذہ شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سقی اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ ۔کی وفات حسرت آیات اور انتقال پر ملال کی اندوہگین اور المناک خبر سن کر دل ودماغ پر جو گذری ۔قلب وجگر پر جو بیتی اس کی تعبیر سے زبان ودہان یکسر عاجز اور اس کی تحریر و تصویر سے قلم قاصر ہے ۔اس حادثۂ فاجعہ نے دل ودماغ کو ہلا کر رکھ دیا۔قلب پر ایک برق سی گرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ دل کی دنیا میں ویرانی کا احساس بڑی شدت اور حدت سے ابھرا۔

حضرت شیخ الحدیث مرحوم ومغفور جو کل تک ہم میں موجود تھے جن کی ذات قدسی صفات سے علوم ومعارف کے چشمے پھوٹ رہے تھے جن کی زبان فیض ترجمان ہر وقت قال اللہ وقال الرسول کی سامعہ نواز صداؤں سے تر رہتی تھی ۔جن کی زبان کی حلاوت اور شیرینی اعداء ومخالفین کے قلوب کو موہ لیتی تھی ۔جو علوم وفضل کا بحر بیکراں تھے۔ جو ذہانت وفطانت کا پیکر تھے ۔جو اخلاق عالیہ کا ایک نادر نمونہ تھے جو اسوۂ رسول پر پوری طرح گامزن تھے جن کی زندگی اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے وقف تھی۔جن کے دل کی ہر دھڑکن ،جن کے دماغ کی ہر سوچ ،جن کے قدم کے ہر حرکت اسلام اور محض اسلام کے لئے تھی ۔جن کے دل کی دنیا عشق رسولؐ سے آباد وشاداب تھی جن کی اسلامی تعلیمات کی نشر واشاعت کے لئے عظیم الشان اور فقید المثال خدمات تاقیامت تاریخ کے آسمان پہ درخشندہ وتابندہ رہیں گی۔

حضرت شیخ ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے جو اپنی ذات میں ایک انجمن ایک ادارہ اور ایک موتمر تھی ۔جن کے فیوض وبرکات سے ایک عالم مستفید ہوا۔جنہوں نے اپنی بے پناہ کوشش وکاوش ،غیر معمولی تگ ودو اور محنت وریاضت سے ایک چھوٹے سے ادارہ کو ایک عظیم وجلیل ادارہ کا روپ دیا جو پاکستان کی سرزمین پر ثانی دارالعلوم دیوبند بن کر جلوہ گر ہوا۔جس سے لاکھوں طلبہ مستفید ہوئے۔جس سے ہزاروں علماء پیدا ہوئے ۔جس سے سینکڑوں مشائخ نے استفادہ کیا جو پاکستان کی سوہنی دہرتی پر تعلیمات اسلامیہ کے ایک ایسے جلیل المرتبت ادارہ کی شکل میں متشکل وجلوہ گر ہوا جس کی نظیر ناپید ہے ۔مولانا کی وفات سے مذہبی اور دینی حلقوں میں ایک زبردست خلا پیدا ہوگیا ہے جس کا پر ہونا بظاہر محال وناممکن ہے ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں مقام رفیع پر فائز فرمائیں اور کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائیں ۔ پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل سے نوازیں۔ آمین یارب العالمین ۔

احقر، جامعہ اساتذہ تلامذہ اور عملہ آں جناب کے اس غم میں برابر کے شریک وسہیم ہیں ۔

تحریک تحفظ ختم نبوت ، ربوہ

مرحوم کی وفات سے مذہبی طبقہ خصوصاً دیوبندی مسلک کے افراد یتیم ہوگئے ہیں مرحوم کی علمی وملکی خدمات تاریخ کا سنہری باب ہے ۔اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور مرحوم کے لواحقین کو صبر جمیل

کے ساتھ ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (مولانا اللہ یار ارشد خطیب جامع مسجد احرار ربوہ)

ڈاکٹر احمد رضا پیرزادہ | مولانا عبدالحق صاحبؒ کا انتقال ہم سب کے لئے بے حد اور بڑا عظیم نقصان ہے۔ ایک بڑے اور نہایت نیک شفیق اور بہت بلند پایہ عالم دین سے ہم محروم ہو گئے۔ ان کی عظمت کا اندازہ سبھی کو ہے مگر جس محبت اور شفقت سے وہ مجھے نوازا کرتے تھے وہ میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ ایک بہت بڑا مینارِ علم اور چراغ دین بجھ گیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعاگو ہوں کہ مولانا کو اپنے دیارِ رحمت میں جگہ دے۔ اور ان کے درجات بلند تر فرمائے۔ آمین

(نیازمند ڈاکٹر احمد رضا پیرزادہ آئی سپیشلسٹ راولپنڈی)

سنی مجلس عمل صوبہ سرحد | مجھے صد افسوس ہے کہ وقت کے ایک عظیم قائد اور قطب دوراں کے جنازے سے محروم رہا۔ بوجہ اسارت ہری پور جیل۔ ہم بتیس آدمی سنی ایکشن کمیٹی ڈیرہ اسماعیل خان جیل میں ہیں جب کہ ہمارے دل حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی سے رو رہے ہیں۔ آج ہم سے علم نبویہ کا ایک سورج غروب ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت کے اعلیٰ مقام پر فائز فرمائے۔ ہم آپ کے صدمہ میں برابر کے شریک ہیں اللہ کریم جناب اور تمام اہل خانہ کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

قاری محمد یوسف غفرلہٗ۔ حال اسیر ہری پور جیل۔

آزاد جموں و کشمیر یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز | استاذ محترم حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کی خبر سے دلی صدمہ ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

صرف آپ کا اور آپ کے خاندان کا صدمہ نہیں بلکہ حضرت کے ہزاروں تلامذہ اور لاکھوں ارادت مندوں کا رنج وغم ہے۔ اور عالم اسلام بالعموم اور پاکستان بالخصوص ایک دینی رہنما سے محروم ہوگیا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائے۔ اور سوگوار خاندان اور ان کے عقیدت مندوں کو صبر اور اس کا اجر عطا فرمائے۔ اور سب کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ (ابن طارق)

مہتمم قاسم العلوم ملتان | قدوۃ السالکین شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ العزیز کی محبت شفقت قاسم العلوم ملتان کے ساتھ خصوصی تھی۔ جب بھی ملتان تشریف لاتے تو جامعہ قاسم العلوم کو اپنے برکات و فیوضات سے ضرور سرفراز فرماتے۔ جامعہ قاسم العلوم سے آپ کا قلبی تعلق تھا۔ اب جامعہ قاسم العلوم بھی آپ کی دعاؤں سے محروم ہوگیا ہے۔

تعزیتی اجلاس میں قرآن خوانی کے بعد آپ کی دینی۔ ملی اور ملکی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔ جامعہ کے جملہ مدرسین نے آپ کی وفات کو عالم اسلام کا ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔

اجلاس میں مولانا محمد اکبر صاحب۔ مولانا محمد امین صاحب۔ مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب۔ مولانا عبدالرحمن صاحب لغاری۔ مولانا محمود الحسن صاحب، مولانا مفتی عبدالرحمن صاحب۔ مولانا اعزاز احمد صاحب۔ مولانا منظور احمد صاحب۔ مولانا حافظ

عبدالواحد صاحب ۔ مولانا محمد مسعود شاد صاحب ۔ مولانا قاری خلیل الرحمان صاحب ۔ مولانا قاری عاشق محمد صاحب مولانا قاری عبداللطیف صاحب مولانا قاری طاسین صاحب نے شرکت کی۔ جامعہ اس صدمہ میں برابر کا شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں آپ کے مشن کو جاری و ساری رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے (مولانا عبداللہ قاسمی العلوی ملتان)

مولانا عتیق الرحمان سنبھلی مدیر الفرقان لکھنؤ حال لندن | غالباً سنیچر کا دن تھا جس میں نے استاذ مخدوم و محترم کی رحلت کی خبر پڑھی۔ اور دل مسوس کر رہ گیا کہ مجھے نہ جانا تھا اور نہ جا سکا۔ اور حضرت چل دیئے۔ اب ہماری زیارت کے لئے موت کے پل سے گزر کر آؤ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ الابرار الصالحین۔

جن چند یادوں سے میرے بیتے ہوئے دل کی رونق تھی ان میں سے ایک یاد حضرت والا کے اس دور کی بھی تھی، بلکہ ہے۔ جب میں حضرت کے حلقۂ درس میں ایک طالب علم تھا۔ اور اس معنی میں خوش نصیب طالب علم کہ مجھے تو اکثر طلبہ کی طرح حضرت سے محبت تھی۔ حضرت بھی میرے ساتھ محبت و شفقت کا معاملہ کرتے تھے۔ میں نے شاید آپ سے کہا بھی تھا کہ پاکستان جانے کی اگر خواہش ہوتی ہے تو اس کے محرکات میں سے جذباتی محرک صرف حضرت (علیہ الرحمہ) کی زیارت کا جذبہ ہوتا ہے۔ ۷۸ء میں نے جو تقسیم کیا تو پھر صورت ہی کو ترس گئے۔ کیا معصوم اور دلنواز ایک شرمیلی سی مسکراہٹ چہرے پر رہتی تھی؟

اب اسے ڈھونڈ چراغ رخِ زیبا لے کر

اللہ بال بال مغفرت فرمائے اور اکرام کے اعلیٰ درجات سے نوازے۔ فرشتہ صفت انسان پورے معنیٰ میں ایک ہی دیکھنا یاد ہے۔ اللہ آپ کو ان کا پورا جانشین بنائے۔ اور کسی معنی میں بھی جگہ خالی نہ رہنے پائے (عتیق الرحمان سنبھلی)

مولانا سید عبدالمجید ندیم ناظم اعلیٰ مجلس تحفظ ختم حقوق اہلسنت پاکستان ریے یونین فرانس | ابھی ابھی فون پر یہ المناک خبر سنی کہ راس الاتقیاء حضرت مولانا عبدالحق ہمیں محروم کر کے خود مرحوم ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت موصوف علم و عمل کا مثالی نمونہ اور ان کی پوری زندگی اپنے نیک نام اسلاف کا پرتو تھی۔ وہ پوری دنیائے اسلام کی متاعِ عزیز تھے۔ میں نے یہاں رات کے اجتماع میں جب یہ روح فرسا خبر بتائی تو ہر شخص بے قرار اور ہر آنکھ اشکبار نظر آئی۔

ان کی خاموش مگر پر جوش زندگی روشنی کا ایک ایسا مینار تھی جس سے حق و صداقت کے جادہ پیما کو منزل کا نشان ملتا تھا۔ آج کے نازک حالات میں عالم اسلام، بالخصوص پاکستان کے مسلمانوں کو ان کی رہنمائی و قیادت کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔ مگر اللہ کے فیصلے ہماری حسرتوں کے پابند کہاں؟ میں آپ کو کیا تعزیت کروں۔ خود قابلِ تعزیت ہوں۔ مجھ پر ان کی خصوصی شفقتیں ناقابلِ فراموش ہیں۔ ہم ایک ایسے اخلاص کیش، بے نفس دیدہ ور، اور سراپا عمل شخصیت سے محروم ہو گئے ہیں۔ کہ اس کا ازالہ ممکن نظر نہیں آتا۔ اللہ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا کرے۔ وہ جن سے محبت کرتے تھے ان کے ساتھ محشور فرمائے۔

آپ کو ان کی دعاؤں۔ تمناؤں کا حقیقی مصداق بنا کر ان کی امانتوں کی نگہداشت اور ان کے گلشن علم و حکمت کی پاسبانی کی توفیق بخشے۔ یہ ناچیز اگست کے اواخر میں حرمین شریفین سے ہوتا ہوا ری یونین فرانس کے احباب کے اصرار پر یہاں پہنچا۔ چند روز کے لئے افریقہ کا سفر درپیش ہے۔ انشاء اللہ اکتوبر کے اوائل میں پاکستان واپس آکر اکوڑہ خٹک حاضری دوں گا۔

دعاجو۔ عبدالمجید ندیم

مولانا انظر شاہ مسعودی دیوبند

کل گذشتہ "پاکستان ریڈیو" نے آپ کے والد ماجد نور اللہ مرقدہ کے سانحہ رحلت کی المناک خبر دے کر علمی حلقوں کو ایک گہرے صدمہ میں ہمیشہ کے لئے مبتلا کر دیا۔ آپ کے ملک کے مرحوم صدر صاحب کے بعد یہ دوسرا درد انگیز سانحہ ہے جس کا الم و کرب، علم و دانش، دین و دیانت، ثقاہت و رزانت سے تعلق رکھنے والے شدت سے محسوس کرتے رہیں گے۔ وہ صرف آپ کے باپ نہیں تھے بلکہ جماعت علماء کے روحانی باپ تھے۔ برصغیر کے دانشوروں کو ان کے ظل شفقت سے محرومی ہو گئی۔ پاکستان میں دیوبندیت کی بنیاد ہل گئی۔ اسلاف کا نمونہ منظر عام سے ہٹ گیا۔ قدیم بزرگوں کی تصویر یہ غائب از نظر ہوئی، زہد و اتقا، توکل و استغنا کے آبدار و تابدار گوہر سے کائنات محروم ہو گئی۔ خدا تعالیٰ قلوب کو اس عظیم صدمہ کے برداشت کی توفیق عطا فرمائے۔ مرحوم کو دیکھ کر بزرگوں کی یاد تازہ ہوتی تھی ان کی مجلس میں روح سکون محسوس کرتی تھی۔ قحط الرجال کا دور ہے ان کا وجود تاریکیوں میں منارہ نور تھا رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ آج صبح دارالعلوم وقف میں جلسہ تعزیت اور ایصال ثواب کے لئے مجلس ہوئی ظہر کے بعد بھی مرحوم کے لئے دعا و ترقی درجات آخرت کا اہتمام کیا گیا۔

مولانا قاضی عبدالکریم کلاچی

انا للہ وانا الیہ راجعون فللہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شیئ عندہ باجل مسمی فلتصبر ولتحتسب فان المصاب من حرم الثواب

حضرت شیخؒ کے وصال پر شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ سے مستعار لے کر وہی شعر عرض کروں گا۔ جو حضرتؒ نے حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ صاحبؒ کے وصال پر فرمایا تھا اور وہ یہ کہ ؎

زمیں ماتم او سپہر لقانوں گریستے از چشم اختراں ہمہ شب خوں گریستے

حضرت کی زندگی دیکھ کر یوں کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب آپ اٹھتّر سالہ شب و روز کی دینی محنتوں اسلامی خدمات، مجاہدانہ سرگرمیوں اور نیم شب کے گریہ سحر و آہوں کا صلہ اور مزدوری وصول کرنے بارگاہ رب کریم میں تشریف لے گئے ہیں اور اب واللہ حسیب مثقال ذرۃ خیرا یرہ کے ماتحت آپ پائی پائی کا حساب وصول فرما رہے ہیں فھنیئا لہ ثم ھنیئا لہ

علمی تدریسی، تقریری اور تحریری خدمات تو آپ کے اظہر من الشمس ہیں۔ لیکن نفاذ شریعت کے لئے آپ اس خدمت میں بالکل ہی منفرد ہیں۔ کہ پاک پارلیمنٹ میں کفر و الحاد اور غیر اسلامی ازموں کی ہمہ جہتی یلغار میں آپ نے شریعت محاذ کی بنیاد ڈال دی ہے۔ اب ملک میں جو کوئی جب بھی جس قسم کی خدمت انجام دے گا شریعت محاذ ہی اس کی مضبوط بنیاد ثابت

ہو گی۔ جہاد افغانستان کا لہو لہان میدان آپ کے ارشد تلامذہ کے ایمانی جرأت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔
روسی افواج کی ذلیل واپسی اور اندرون ملک نفاذ شریعت کے لئے شریعت محاذ کی شکل میں صحیح راستہ کی نشاندہی اور پھر اپنے ارشد تلامذہ دورحقانیہ کے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب اور زمانہ دارالعلوم دیوبند کے قاضی عبداللطیف صاحب سے شریعت بل پیش کرانے اور پھر متحدہ شریعت محاذ کی صدارت کرکے قوم کی صحیح مذہبی سیاسی اور روحانی راہنمائی کر دینے کے بعد آپ کو اتباع سنت نبویؐ میں فسبح بحمد ربک واستغفرہ کی صدائے حقانی آخر کیوں نہ پہنچتی۔ ان فتوحات کی تخم ریزی کے بعد تو آپ کا ناسوتی دنیا میں رہنا خلاف سنت سا معلوم ہوتا۔

اللھم فتغمدہ بغفرانک واسکنہ بحبوحۃ جنانک واللھم فلا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ

اب افغانستان میں مجاہدین کے ذریعہ صحیح اسلامی حکومت قائم کرانا اور پاکستان کے تمام عدالتوں کو ظلم وعدوان اور کفر وطغیان کے ظالمانہ قوانین سے نجات دلانا اور ان کی جگہ جمہوری تقاضوں کے عین مطابق فقہ حنفی کی تشریح وتفصیل کے ساتھ قرآن وسنت کے عادلانہ قوانین کو نافذ کرانا آپ کے لائق تلامذہ، مخلص معتقدین اور غیر اسلامی سیاست کی نجاست سے پاک ذہن اور نیک طینت متوسلین کا اولین فریضہ بنتا ہے۔

وفقنا اللہ وایاھم لما یحب ویرضاہ وعصمنا وایاھم من الغی والمیل الی الشیطان

نجم المدارس کلاچی میں تین دن تک قرآن مجید کے ختم ایصال للصواب ہوتے رہے

مولانا محمد سالم مہتمم وقف دارالعلوم دیوبند | ریڈیو کے ذریعہ استاذ محترم، استاذ الاساتذہ عارف باللہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے حادثہ وفات کی المناک اطلاع کو ہ الم بن کر گری۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ چونکہ راقم ناکارہ کی عالمی نگاہوں نے بہت سے حضرات اکابر رحمہم اللہ کی زیارت کا شرف اپنی تہیدستی کے باوجود حاصل کیا ہے۔ اس لئے حضرت الاستاذ مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ کی وفات حسرت آیات کی پُرالم اطلاع سن کر یہ محسوس کرتا ہوں کہ مرجع الافاضل، فخر الاماثل، حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ قدس سرہ کا نمونہ علم وحلم، استاذ الاساتذہ حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ کے معقول ومنقول علوم پر جامعیت۔ حضرت مولانا محمد ادریسؒ کی قرآنی بصیرت۔ حضرت اقدس مولانا اعزاز علیؒ کی ادب آموز سلاست۔ حضرت اقدس مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب کی پُرتاثیر دقت نظر سے آج یک دم ہم خدام محروم ہو گئے۔ اس لئے کہ یہ حقیقت ہر مبالغہ سے خالی ہے کہ صرف انہی اکابر ہی کی نہیں بلکہ اور دیگر اکابر کی بھی علمی اور معنوی خصوصیات وامتیازات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل وکرم سے اس برگزیدہ ذات میں جمع فرما دیا تھا۔ حق تعالیٰ حضرت کو اعلیٰ علیین میں مقام کریم عطا فرمائے۔
حضرت مرحوم ایک جبل علم تھے۔ اس لئے ان کی جدائی کا حادثہ فاجعہ آں محترم یا آپ کے مؤقر خاندان ہی کا نہیں بلکہ

ملت اسلامیہ کی پوری علمی برادری کا ایک ناقابل تلافی نقصان عظیم ہے۔ آپ کے لئے اور جملہ خانوادۂ کریمہ کے لئے صبر و اتباع کی مخلصانہ دعاؤں کے ساتھ "کل نفس ذائقة الموت" کے پیش نظر اس کے سوا کیا عرض کیا جا سکتا ہے ؎

فلک جام، جہاں ساقی، اجل مے — خلائق بادہ کوشش مجلس ئے

خلاصی نیست اصلاً ہیچ کس را — ازیں جام ازیں ساقی ازیں مے

وفد دارالعلوم دیوبند میں حضرت اقدس قدس سرہ العزیز کے لئے ایصال ثواب و دعائے مغفرت کی گئی۔

مولانا محمد عبداللہ — مدیر ماہنامہ مناقب: اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔ ان کا وقت مقرر تھا اپنے وقت پر دنیا سے تشریف لے گئے۔ اپنی نیک اور مبارک زندگی میں انہوں نے آخرت کے لئے جو بڑا ذخیرہ بنایا ہے یقیناً اس کی آسودگی اور راحت میں ہوں گے۔ نقصان تو ہم بدنصیبوں کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت سے محروم ہو گئے ؎

آنچہ از ما گم شدہ — گر از سلیمان گم شدی

ہم سلیمان ہم پری — ہم اہرمن بگریستی

مولانا محمد رحمت اللہ — سابق رکن قومی اسمبلی جھنگ: صرف مجھے ہی نہیں بلکہ ہمارے پورے ادارے "جامع محمدی ضلع جھنگ" میں یہ خبر نہایت ہی غم و افسوس کے ساتھ پڑھی گئی۔ یہ ادارہ آپ کے غم میں برابر کا شریک ہے جامعہ کے عملہ نے مرحوم کے لئے ایصال ثواب کیا۔

محمد انوار الحق قریشی — ایڈووکیٹ ملتان: ایک کام کے سلسلہ میں اچانک مدرسہ خیر المدارس جانا ہوا تو وہاں علماء و طلباء سب قرآن خوانی میں مصروف تھے۔ دریافت پر حضرت شیخ الحدیثؒ کی وفات حسرت آیات کا علم ہوا قرآن خوانی میں شامل ہو گیا۔ اور حضرت قاری صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں حضرت مرحوم کی سیاسی بصیرت اور قومی اسمبلی میں اسلام و شریعت کے بارے میں ان کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کا موقع ملا۔

جناب مولانا مجاہد الحسینی — مدیر صوت الاسلام: حضرت شیخ قدس سرہ کی علمی عظمت اور آپ کی دینی وجاہت کا برصغیر پاک و ہند کے تمام علمی، ملی اور سیاسی حلقوں میں جو اعتراف اور احترام پایا جاتا ہے وہ اظہر من الشمس ہے یقین جانئے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی وفات کی خبر سے یوں محسوس ہوا جیسے نیر درخشنی کا بلب یک لخت بجھ گیا ہو اور ہر طرف گھپ اندھیرا چھا گیا ہو۔ حضرت شیخؒ کی ذات گرامی واقعی اس ظلمت کدۂ جہالت و ضلالت میں مینار رشد و ہدایت کی حیثیت رکھتی تھی۔ ان کی وفات سے نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ دنیائے اسلام کو بڑا نقصان پہنچا ہے۔ اور عالم اسلام ایک جلیل القدر محدث و فقیہہ، ایک ممتاز عالم دین اور ایک بلند پایہ قومی و ملی رہنما اور سیاستدان سے محروم ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخؒ کی مغفرت فرمائے۔ انہیں اپنے خاص جوار رحمت میں بلند مقام عطا فرمائے۔ اور آپ

حضرات کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق سے نوازتے ہوئے صبر اور استقامت بخشے۔ آمین

مولانا محمد تقی عثمانی
جسٹس وفاقی شرعی عدالت پاکستان

حضرت قدس سرہ کے سانحۂ وفات کی خبر دل و دماغ پر بجلی بن کر گری۔ انا للہ وانا الیہ راجعون حضرت کی ذات بابرکات ہم سب کے لئے ظلمتوں کے اس گرداب میں وہ عظیم سہارا تھی جس کے تصور ہی سے قلب میں تسکین اور ٹھنڈک کا احساس ہوتا تھا۔ اکابر کے سائے ایک ایک کرکے اٹھ چکے ہیں حضرت کا تصور کرکے اپنے عہد کے افلاس کا احساس کم ہوتا تھا آج یہ مبارک سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون دل میں خواہش تھی کہ نمازِ جنازہ میں شمولیت کی سعادت حاصل ہو جاتی۔ لیکن اطلاع رات کو ایسے وقت ملی کہ پہنچنا ممکن نہ تھا اور اس طرح اس سعادت سے بھی محروم رہی۔ ہماری طرح دارالعلوم کے اساتذہ و طلبہ اس حادثے سے بے حد متاثر ہیں اور سب یہ محسوس کر رہے ہیں کہ وہ یتیم ہو گئے ہیں۔

تدفین والے دن دارالعلوم میں تعطیل کرکے ایصالِ ثواب کا اہتمام ہوا۔ تمام اساتذہ و طلبہ شریک تھے اور سب سوگوار و غمزدہ۔ یہ شعر تو بار بار پڑھا بھی تھا اور متعدد مواقع پر استعمال بھی کیا لیکن اپنے ملک کے حالات کے پیشِ نظر یوں محسوس ہوا کہ اس کا صحیح مصداق آج پیش آیا ہے کہ ؎

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی، سو وہ بھی خموش ہے

حضرت کی عنایات اور شفقتیں اور ان کا نورِ مجسّم وجود نگاہوں کے سامنے ہے۔ ایک ایک کرکے حضرت کی شفقتیں یاد آ رہی ہیں جب اپنا حال یہ ہے تو آپ اور دوسرے بھائیوں، اہلِ خانہ اور اہلِ مدرسہ کی جو کیفیت ہے وہ ظاہر ہے خاص طور سے آپ کے عظیم صدمے کے ساتھ جو گراں بار ذمہ داریاں آپ پر آگئی ہیں ان کا تصور بھی روح فرسا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن صلاحیتوں سے نوازا ہے اور جس تواتر کے ساتھ حضرت کی صحبت سے فیض یاب کیا ہے۔ اس کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ اس صدمے کو سہارنے اور ان ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کی توفیق بھی مرحمت فرمائیں گے۔ جب وہ کوئی صدمہ یا ذمہ داری دیتے ہیں تو پھر مدد بھی فرماتے ہیں۔ حضرت کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں جن کی موجودگی میں آپ ان شاء اللہ تنہا نہیں رہیں گے۔

احقر چونکہ ایسے حادثے سے پہلے دوچار ہو چکا ہے اس لئے اس کی سنگینی کا پورا احساس ہے اور تسلّی و تعزیت کے لئے آپ سے کچھ کہنا لقمان کو حکمت سکھانے کے مرادف ہے لیکن میں اپنا ذاتی تجربہ عرض کرتا ہوں کہ صدمے کی ایسی شدت کے باوصف حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کی وفات کے بعد میں نے کبھی اپنے آپ کو تنہا محسوس نہیں کیا۔ اور اب بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کہیں موجود ہیں اور ان کی رہنمائی حاصل ہے امید ہے کہ ان شاء اللہ آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا ؎

خیر من العباس أجرك بعده
والله خیر منك للعباس

شیخ الحدیث مولانا علی محمد کبیروالا	حضرت شیخ الحدیث کی وفات حسرت آیات سے سخت صدمہ ہوا۔ حضرت مرحوم بزرگوں کی آخری یادگار تھے۔ حق تعالیٰ حضرت مرحوم کو اپنے جوار خاص میں جگہ عطا فرمائیں۔ آپ حضرات اہل

پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شیئ عندہ باجل مسمی

دارالعلوم ہذا میں حضرت کے ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔

مدرسہ قاسم العلوم نعمان پورہ۔ آزاد کشمیر	برصغیر کی عظیم علمی و روحانی شخصیت دارالعلوم حقانیہ پشاور کے بانی و شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی وفات پر مدرسہ قاسم العلوم نعمان پورہ میں ایک تعزیتی اجلاس ممتاز کشمیری

عالم مولانا امیرالزمان کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں مولانا قاری محمد انور۔ مولانا محمد طیب کشمیری۔ مولانا عبدالخالق مولانا محمد افضل۔ مولانا محمد طیب آف کفل گڑھ۔ قاری عبدالغفور۔ مولانا محمد سعید اور حافظ محمد اکرم نے شرکت کی۔

اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا امیرالزمان نے مرحوم کی دینی و ملی خدمات پر انہیں زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ مرحوم نے پوری زندگی تبلیغ اسلام اور اسلام کی سربلندی کے لئے وقف کر رکھی تھی اور لاکھوں مسلمانوں کے دلوں کو شمع توحید سے روشن کرایا۔

انہوں نے مزید کہا کہ آج افغان مجاہدین کے قائدین اسی شخصیت کے فیض یافتہ ہیں جنہوں نے ایک بڑی طاقت کو لوہے کے چنے چبوائے۔ مولانا نے کہا۔ کہ مرحوم کی وفات سے برصغیر ایک عظیم شیخ الحدیث سے محروم ہو گیا۔ اجلاس میں مرحوم کے لئے فاتحہ خوانی کر کے ایصال ثواب کیا گیا۔ اور پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعا کی گئی۔

دریں اثنا آج عیدگاہ قاسم العلوم میں جمعہ کے اجتماع سے مولانا قاری محمد انور نے خطاب کرتے ہوئے مرحوم کی مذہبی اور ملی خدمات پر انہیں زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ اجتماع میں اجتماعی فاتحہ خوانی بھی کی گئی۔

مولانا مفتی غلام قادر خیر العلوم خیرپور سندھ	حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کی خبر سن کر احقر اور خیرپور ٹامیوالی کے جملہ دیندار لوگ نہایت غمزدہ ہوئے حضرت

موصوف کی وفات سے جو خلا ہوا ہے۔ اس کا پُر ہونا دشوار نظر آرہا ہے۔ واقعی حضرت رحمۃ اللہ جیسے حضرات کے حق میں موت العالم موت العالم پورے طور پر صادق آتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ صرف وقت کے بہت بڑے محدث فقیہہ، عابد، زاہد تھے۔ بلکہ آپ اولیائے کاملین کی نشانی تھے۔ اور آپ کی مجاہدانہ زندگی اور مجاہدین کے مربی ہونے کا وصف وافر تھا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں اور اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے۔

یہاں مدرسہ خیر العلوم میں تعزیتی جلسہ ہوا۔ مقامی علماء نے خراج عقیدت پیش کیا۔

مولانا قاضی مظہر حسین صاحب چکوال	عرض آنکہ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی وفات باعث صدمہ ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ مغفرت فرمائے اور

جنت الفردوس نصیب ہو۔ آمین

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی علم و تقویٰ سے مزین تھی۔ اب آپ کی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں۔ حق تعالیٰ آپ کو اور دوسرے صاحبزادگان کو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی اتباع میں دارالعلوم حقانیہ کی خدمت کی توفیق دے آپ کو اور ہم سب متوسلین و خدام کو اتباع سنت اور اتباع صحابہ کرام اور حضور رحمۃ اللعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی اتباع نصیب فرمائے۔ فتنوں سے محفوظ رکھے اور اہلسنت والجماعت کو ہر محاذ پر غلبہ عطا فرمائے۔ آمین

مولانا علی اصغر عباسی صوبائی خطیب اوقاف پنجاب	استاذ المشائخ والعلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہٗ کا انتقال ایک بہت بڑا حادثہ ہے حضرت شیخ گذشتہ صدی کے اکابرین اسلام کی عظیم نشانی

تھے۔ آج ہم سب ان کی علمی اور روحانی برکتوں سے محروم ہو گئے ہیں۔ حضرت کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی ایک کامیاب زندگی نصیب فرمائی تھی اور انشاء اللہ العزیز اگلے جہاں میں اپنے اکابر کے ہمراہ ان کو عظیم خوشیاں نصیب ہوں گی۔

مولانا محمد ضیاء القاسمی	محدث اعظم حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات المناک سے ہم سب

ایک مشفق اور یکتائے روزگار شخصیت کی سرپرستی سے محروم ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

یوں تو حضرت والا کی شخصیت بے شمار خوبیوں کی مالک تھی۔ لیکن اس انارکی اور بے اعتمادی کی فضا میں آپ نے جس مثالی کردار سے تمام طبقوں میں غیر متنازعہ شخصیت کے بطور اپنا تشخص قائم کیا یہ آپ کا نمایاں اور امتیازی کردار تھا۔

آپ ہمیشہ ہی اسلاف کے کردار کی تابندہ و درخشندہ تصویر رہے۔ آپ کا نورانی چہرہ اپنے اکابر کی روشن تصویر تھا۔ آپ نے ہمیشہ اسلام اور اسلام کے تحفظ کے لئے جدوجہد کی۔ آپ کی مساعی جمیلہ سے آج لاکھوں قلوب اسلام اور علمائے حق کے زرین کارناموں سے منور ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کا صحیح جانشین آپ کو بنائے۔

جامعہ قاسمیہ اور جناح مسجد میں حضرت مرحوم کے لئے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی گئی۔

مولانا محمد چراغ شیخ الحدیث	مجھے افسوس ہے کہ حضرت الشیخ مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر اظہار تعزیت دیر سے کر رہا ہوں۔ کیونکہ میں یہاں پر نہ تھا جس کی وجہ سے تاخیر ہو گئی ہے۔

حضرت الشیخ مرحوم و مغفور کی وفات حسرت آیات سے دینی و علمی حلقوں میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ آپ کا

وجود ہم سب کے لئے سایۂ خداوندی اور سرمایۂ علم وتقویٰ تھا۔

آپ کے اٹھ جانے سے دینی حلقے واقعی یتیم ہو گئے ہیں۔ اور علمی مجالس بے رونق ہو گئی ہیں دن دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

جامعہ کے اساتذہ کرام اور طلبہ نے بھی قرآن خوانی کے بعد اپنے تعزیتی اجلاس میں حضرت کی علمی و دینی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔ اور آپ کے انتقال پر ملال کو ملت اسلامیہ کے لئے عظیم صدمہ قرار دیا۔

جماعت مبلغین توحید وسنت پاکستان لاہور | شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا عبدالحق کی وفات پر مجھے اور میرے متعلقین کو زبردست افسوس رنج وغم ہوا۔ میں آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں۔

حضرت مولانا مرحوم کی وفات ملک ہی کے لئے نہیں عالم اسلام کے لئے عظیم سانحہ ہے اور ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ جلد پُر نہیں ہو سکے گا۔ ان کی ساری زندگی اسلامی خدمات کے لئے وقف رہی ان کی اسلامی ملکی ملی قومی عظیم خدمات کو تاریخ فراموش نہیں کی جا سکے گی۔ وہ حق گو اور بے باک عظیم شخصیت تھے۔ آپ توحید وسنت کے عاشق تھے ان شاء اللہ ان کے اس مشن کو جاری و ساری رکھا جائے گا۔

تنظیم اہلسنت اسلام آباد | آج مورخہ ۹ ستمبر بعد نماز جمعۃ المبارک تنظیم اہلسنت پاکستان اسلام آباد کا ہنگامی اجلاس مرکزی جامع مسجد منعقد ہوا جس میں نشانِ حق حضرت مولانا شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی وفات حسرت آیات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا گیا۔

تنظیم اہلسنت حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی وفات کو قومی و ملی المیہ تصور کرتی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث کی وفات سے جو علمی و سیاسی خلا پیدا ہو گیا ہے وہ کبھی بھی پُر نہ ہو سکے گا۔

مولانا غلام محمد خلیفہ مجاز علامہ سلیمان ندویؒ کراچی | آپ کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہٗ کی خبر ارتحال دل پر بجلی بن کر گری ہائے افسوس اہل پاکستان ایک ولی اللہ اور مجاہد فی سبیل اللہ شیخ ربانی کے بابرکت وجود سے محروم ہو گئے۔

پاکستان کی چالیس سالہ تاریخ میں شہید ضیاء الحق جیسا دیندار، مخلص اور صاحب نظر سربراہ مملکت پاکستان کو میسر نہ آیا تھا اور ان کی رحلت سے ابھی دل کی جراحت تازہ تھی کہ پاکستان کی وہ بزرگ ہستی جن پر عارف رومی یہ ارشاد صادق آتا تھا ؎

واحد کالالف کہ بود آں ولی
بلکہ صد قرن است آں عبد العلی

ہم سے رخصت ہو گئی۔ بے بصیرت کیا جانیں کہ اہل اللہ کا وجود کتنی بلاؤں کی ڈھال اور کتنے انعامات الٰہیہ کے انجذاب کا سبب رہتا ہے۔ (جاری ہے)

پی۔این۔ایس۔سی برّاعظموں کو ملاتی ہے۔ عالمی منڈیوں کو آپ کے قریب لے آتی ہے۔ آپ کے مال کی بروقت، محفوظ اور باکفایت ترسیل برآمدکنندگان اور درآمدکنندگان، دونوں کے لئے نئے مواقع فراہم کرتی ہے۔

پی۔این۔ایس۔سی قومی پرچم بردار۔ پیشہ ورانہ مہارت کا حامل جہاز راں ادارہ، ساتوں سمندروں میں رواں دواں

قومی پرچم بردار جہاز راں ادارے کے ذریعہ مال کی ترسیل کیجئے

قومی پرچم بردار جہاز راں ادارہ

PNSC 2 88 PID - Islamabad

PARAGON

جناب پروفیسر شیخ احمد صدیقی

شہیدِ آزادی
سیّد احمد شہیدؒ

۱۹۴۷ء میں ہندوستانی عوام نے غیر ملکی تسلط اور غلامی سے نجات حاصل کر کے آزادی کی فضا میں سانس لیا۔ یہ پُرامن انقلاب تھا جو ۱۹۴۷ء میں وقوع پذیر ہوا۔ انتقال اختیارات کا عمل بغیر کسی خون خرابے کے پورا ہو گیا۔ لیکن یہ کامیابی نہ ایک دن میں حاصل ہوئی اور نہ قربانی کے بغیر۔ اور دنیا کا کونسا بڑا مقصد ہے جو بڑی قربانیوں کے بغیر حاصل ہوا ہو۔ اس میں بظاہر پُرامن انقلاب کے پیچھے قربانیوں کی ایک طویل داستان ہے۔ ہندوستانی عوام نے غیر ملکی استبداد سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک عرصے تک جدوجہد کی۔ استخلاص وطن کے لئے بڑی سے بڑی قربانیوں سے دریغ نہیں کیا۔ جابر و مستبد قوتوں کے سامنے سر جھکانے کے بجائے سر کٹانے کو ترجیح دی۔ ہزارہا لوگوں نے خوشی خوشی پھانسی کے پھندوں کو چوم لیا۔ سنسناتی ہوئی گولیوں کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور چراغ آزادی کی شمع کو اپنے خون سے روشن کرتے رہے۔

جنگ آزادی کا وہ حصہ جو بیسویں صدی سے متعلق ہے خون آلودہ نہیں ہے۔ اس دور میں عوام اور ان سے زیادہ خواص مغلوبیت کا شکار ہو چکے ہیں۔ اقتدار میں شرکت کے مطالبوں کے ساتھ آئینی حدود کے اندر رہ کر خود اختیاری اور آزادی کے مطالبات کئے جا رہے ہیں۔ جابر قوتوں کی خون آشامی بھی ختم ہو چکی ہے صرف یہ نہیں کہ بین الاقوامی طور پر ایسے حالات پیدا ہو چکے تھے جن میں خون ریزی کی عالمی سطح پر مذمت کی جانے لگی تھی اور ہر حکومت خوں ریزی سے اپنا دامن بچانے لگی تھی۔ جب کہ یورپی ممالک میں ایسی کشمکش شروع ہو چکی تھی کہ کوئی بھی حکومت اپنے ملک یا اپنی نوآبادیات میں خلفشار کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی اور اس سے بھی زیادہ صحیح یہ ہے کہ خون مشرق کی ارزانی نے ان کی پیاس ہی کو ختم کر دیا تھا اور حریت پسندوں کو دبانے اور کچلنے کے لئے صرف قید و بند کی سزاؤں کو ہی کافی سمجھا جانے لگا تھا لیکن انیسویں اور اٹھارھویں صدی کی جدوجہد کی داستان خون سے رنگین ہے۔

۱۸۵۷ء کی بغاوت کو پہلی جنگ آزادی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن ایسا کہنا اس سے پہلے کی تاریخ کو نظر انداز کر دینے کے مترادف ہے۔ یہ درست ہے کہ یہ آخری مسلح منظم جنگ تھی جس میں شکست کھانے کے بعد

اہل ہند کے حوصلے پست ہو گئے۔ آخری مغل تاجدار کو قید کر کے جلاوطن کر دیا گیا اور مغل سلطنت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی گئی۔ مغل سلطنت اور مغل حکمران جن کو ابھی تک برطانوی حکمران ایک آڑ کے طور پر استعمال کر رہے تھے اور جو ابھی تک اہل ہند کے لئے مرکزیت کا نشان تھے نظر سے ہٹا دئے گئے۔ وحشت و بربریت کا ننگا ناچ ہوا۔ اور برطانوی استبداد نے وہ مظالم ڈھائے جو چشم آفتاب نے ان کی مثال کم دیکھی ہو گی۔ جائیدادیں ضبط ہوئیں۔ حویلیاں ڈھائی گئیں۔ بستیاں برباد کر دی گئیں۔ چوراہوں پہ سولیاں گاڑ دی گئیں اور ہزارہا لوگوں کو پھانسی دی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ پھانسی پانے والوں میں صرف علماء کی تعداد دس ہزار سے متجاوز تھی۔ ۱۸۵۷ء کے اس معاربہ کو اس لئے بھی زیادہ اہمیت حاصل ہوئی کہ اس وقت ہندوستان کی بہت سی چھوٹی بڑی قوتیں ایک فیصلہ کن جنگ کے عزم کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ اور ناکامی کے بعد ان کے پاس یاس و حسرت کے سوا کچھ نہ تھا لیکن تاریخ پر نظر ڈالئے تو ۱۸۵۷ء تک اہل ہند کو غیر ملکی تسلط کے خلاف لڑتے لڑتے ایک صدی گذر چکی تھی۔ یہ درست ہے کہ ان جنگوں کی حیثیت علاقائی تھی۔ لیکن خود انگریزوں کے اثرات بھی علاقائی تھے۔ جن سے باہر یا تو وہ تاجر تھے یا ہندوستانی ریاستوں کی آڑ میں مطلب سنانی کر رہے تھے۔ مگر بعض عقابی نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ یہ علاقیت چند روزہ ہے۔ اگر ان کے بڑھتے ہوئے اثرات کو نہ روکا گیا تو یہ عنقریب دھیرے دھیرے ساری ریاستوں کو نگل جائے گا۔

سراج الدولہ کی طرف سے پہلی منظم کوشش تھی کہ انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار، ان کے ظلم و تعدی اور ان کے استحصال کو روک دیا جائے اور وہ بنگال میں اپنی حاکمیت قائم نہ کر سکیں لیکن عیاری اور لالچ کا برا ہو کہ اس کے بہت سے امراء انگریزی رشوتوں کا شکار ہو گئے۔ میر بخشی، میر جعفر، حاکم کلکتہ مانک چند، امی چند اور جگت سیٹھ وغیرہ نے غداری کی اور سراج الدولہ کو پلاسی کے میدان میں شکست ہوئی۔ اس فتح کے بعد انگریزوں کو نہ صرف کروڑہا کروڑ روپے لوٹ کھسوٹ میں حاصل ہوئے بلکہ ان کے لئے شمالی ہند کا دروازہ کھل گیا۔

۱۷۹۹ء میں ٹیپو سلطان کی شکست نے جنوبی محاذ کو صاف کر دیا اور اس شہید حریت کی خون آلود لاش کو دیکھ کر انگریز افسر خوشی سے چلا اٹھے "آج ہندوستان ہمارا ہے"

۱۸۰۰ء میں انگریز فوجوں نے دہلی پہ یلغار کی تو دہلی کی حفاظت کے لئے مرہٹے سینہ سپر ہو گئے لیکن تمام قوتوں کو شکست دے کر لارڈ لیک کی ماتحتی میں ان فوجوں نے ۱۸۰۳ء میں دہلی پر قبضہ کر لیا۔ پیشوا کو اس سے پہلے ہی دبا کر معاہدہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ جس کی رو سے انگریزوں کی ایک فوج اس کے علاقہ میں رہنے لگی تھی۔ سیندھیا کی فوجوں کو دہلی میں شکست ہو گئی تھی۔ امیر علی خان اور ہلکر انگریزی اقتدار پہ بھاری ضرب لگا رہے تھے ان کو بھی کمزور کر دیا گیا۔ مگر اس وقت نہ بادشاہ کو معزول کیا گیا۔ نہ تاج اور تخت چھینا گیا۔ نہ ہندو مسلمانوں کے معاشرتی اور مذہبی

امور میں مداخلت کی گئی۔ بلکہ ہندوؤں کے سماجی معاملات پنڈتوں کے اور مسلمانوں کے معاشرتی معاملات "قاضیوں" کے سپرد کردئے۔ بس کاروبار کے اختیارات جو ہندو یا مسلمان امراء اور وزراء کے سپرد ہوتے تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے تسلیم کرا لئے گئے، اسی کی تعبیر وہ فقرہ تھا جو اس دور کے پورے نظام کی تصویر پیش کرتا ہے "یعنی خلق خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم کمپنی بہادر کا"۔ اس صورت حال سے اہل قلعہ نے بھی سمجھوتہ کر لیا تھا۔ اور عوام الناس نے بھی۔ خواص کے بعض طبقوں کو بھی مذہب، تہذیب اور بادشاہ کے بھی محفوظ ہونے کے پیش نظر عافیت مصالحت میں ہی نظر آنے لگی تھی۔ لیکن بعض دوراندیش حضرات جن کی دوربین نگاہیں مستقبل کی پرچھائیوں کو دیکھ رہی تھیں اور اس صورت کے عواقب کو سمجھ رہی تھیں، سخت مضطرب تھے اور بے بسی کے شدید ہیجان میں مبتلا تھے۔ اسی دوران شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز کا وہ مشہور فتویٰ سامنے آیا جس سے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا گیا۔ ان فتاویٰ کے بارے میں مولانا سید محمد میاں رقمطراز ہیں:۔

"فتوے کی زبان مذہبی ہے کہ "دارالحرب" کا اصطلاحی لفظ استعمال کیا گیا ہے، مگر روح سیاسی ہے اور مطلب یہ ہے کہ چونکہ:۔

۱۔ قانون سازی کے جملہ اختیارات عیسائیوں کے ہاتھ میں ہیں۔

۲۔ مذہب کا احترام ختم ہے۔

۳۔ اور شہری آزادی سلب کر لی گئی ہے۔

لہٰذا ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس اجنبی طاقت سے اعلان جنگ کردے اور جب تک اس کو ملک بدر نہ کردے اس ملک میں زندہ رہنا اپنے لئے حرام جانے۔" [1]

اس فتویٰ کا اثر کیا ہوا۔

"عام مسلمان جو انگریزوں کے تیز رفتار اقتدار سے حیرت میں رہ گئے تھے اور اپنے اندر ایسی صلاحیت نہیں رکھتے تھے کہ مذہب کی روشنی میں فیصلہ کر سکیں کہ اس اقتدار کے مقابلہ میں ان کا طرز عمل کیا ہو۔ ان کے لئے ایک راستہ کھل گیا جس کا فوری اثر یہ ہوا کہ باہمت جنگ جو طبقہ جا بجا اس طاقت سے وابستہ ہو گیا۔ جو اس وقت انگریزوں سے برسرپیکار تھی۔ یہ طاقت اس وقت صرف مرہٹوں کی تھی۔

چنانچہ اس دور میں مسلمانوں اور مرہٹوں کی پرانی جنگ ختم ہو گئی۔ اور صرف اتنا ہی نہیں

---

[1] علمائے ہند کا شاندار ماضی ج ۲ ص ۸۲

ہوا کہ مرہٹی علاقوں کے مسلمان مرہٹوں کی فوج میں شامل ہو کر آخر تک انگریزوں سے لڑتے رہے بلکہ شمالی ہند کے بھی بہت سے مسلمان ان علاقوں میں پہنچے اور مرہٹوں کے ساتھ انگریزوں کی جنگ میں شریک ہو گئے۔ خود حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے خاص معتقد اور مرید سید احمد صاحب کو امیر علی خان سنبھلی کے پاس بھیجا جو جسونت راؤ ہلکر کے ساتھ ایک عرصہ سے انگریزی طاقت پر شب خون مارتے رہے[1]

یہ گویا شاہ صاحب کے فتوے کی عملی تعبیر کا آغاز تھا جس کو انجام تک پہنچانے کی کوشش میں سید احمد صاحب نے اپنے بہت سے جانباز ساتھیوں کے ساتھ جام شہادت نوش کیا۔

سید احمد رائے بریلی میں ۲۹ نومبر ۱۷۸۶ء کو پیدا ہوئے[2] ان کا خاندان اپنے تقدس اور بزرگی کے اعتبار سے پورے اودھ میں خاص اہمیت رکھتا تھا لیکن بچپن میں وہ رسمی تعلیم کی طرف متوجہ نہ ہو سکے صرف قرآن شریف کو ذوق و شوق سے پڑھا اور اسی سے ان کے دماغ میں یہ بات بیٹھی۔

"انسان دنیا میں ذاتی اغراض میں پھنسے رہنے اور ذاتی نفع کو ملحوظ رکھنے کے لئے پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ منشاء الہٰی انسان کی پیدائش سے صرف یہ ہے کہ وہ بنی نوع انسان کی خدمت کرے اور خدا کی مخلوق کی بہتری اور ترقی دینے میں جمیل کوشش عمل میں لائے۔"

سترہ برس کے ہوئے تو والد کا انتقال ہو گیا۔ تلاش معاش میں لکھنؤ پہنچے مگر وہاں کے معاشرتی حالات سے نالاں ہو کر وہاں سے نکل کھڑے ہوئے اور دہلی پہنچ کر شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں کم و بیش دو سال رہے اس دوران شاہ صاحب سے ظاہری و باطنی کمالات حاصل کئے۔ اور پھر اپنے مرشد کی ہدایت کے مطابق امیر علی خان کے لشکر میں شامل ہو گئے یہ گویا ان کی پرجوش اور سپاہیانہ طبیعت کی تسکین کا سامان اور ان کی پہلی جنگی تربیت گاہ تھی۔ خانقاہی زندگی سے جنگ آزمائی کیوں بھیج دیئے گئے؟

دہلی پر انگریزی اقتدار قائم ہو چکا تھا جس کے خلاف جہاد کرنا شاہ عبدالعزیزؒ کے نزدیک فرض عین تھا اسی کے لئے انہوں نے سید صاحب کو تیار کیا تھا۔ امیر علی خان نے معمولی سپاہی کی حیثیت سے زندگی شروع کی لیکن دھیرے دھیرے انہوں نے اپنی فوج تیار کر لی۔ وہ جسونت راؤ ہلکر کے ساتھ مل کر انگریزوں کے خلاف مورچے لے رہی تھی۔ ان کے ساتھ شامل ہونا گویا ایک مذہبی فریضہ ادا کرنا تھا۔ سید صاحب نے وہاں جا کر نہ صرف عملی زندگی کا تجربہ کیا اور جنگی تدبیروں سے واقفیت حاصل کی۔ بلکہ پورے لشکر میں اصلاح و تبلیغ کا کام بھی جاری رکھا لیکن جب ۱۸۱۸ء میں امیر علی خان

---

[1] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ سیرت سید احمد شہید [2] مرزا حسرت دہلوی۔ حیات طیبہ ص ۴۸۹

و انگریزوں سے صلح کرنے پر مجبور ہونا پڑا تو سید صاحب ان کا لشکر چھوڑ کر دہلی آ گئے۔ اب وہ درویش ہی نہیں تھے بلکہ ایک آزمودہ کار سپاہی بھی تھے۔ اسی دوران شاہ عبدالعزیزؒ کے بھتیجے شاہ اسماعیلؒ اور داماد مولانا عبدالحئیؒ نے سید احمد صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ دونوں حضرات اپنے دور کے عالم اجل اور خطیب بے بدل تھے۔ علوم دینی و عقلی میں دست گاہ کامل رکھتے تھے گویا سید صاحب کے رسمی علم کی تلافی ان حضرات کی شرکت سے ہوتا تھی۔ یہ بیعت صرف اخلاقی و روحانی نہ تھی۔ بلکہ یہ انقلاب آفریں پروگرام کا آغاز تھا۔ بقول مولانا محمد میاں:-

حضرت سید احمد صاحبؒ کے زیر قیادت ایک گروپ بنایا گیا۔ مولانا عبدالحئیؒ اور مولانا اسمٰعیل تھا اس گروپ کے اہم ترین رکن اور سید صاحبؒ کے مشیر خاص قرار دئیے گئے ان تینوں حضرات کی سب کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا۔

۱۔ ملک بھر میں دورہ کر کے روح انقلاب پیدا کریں۔

۲۔ رضا کار بھرتی کریں اور ان کو فوجی ٹریننگ دیں۔

۳ مالیہ فراہم کریں۔ ۴۔ دیگر ممالک سے تعلقات پیدا کریں۔ ۵۔ فوجی کارروائی۔ با ضابطہ جنگ "[1]

ان مقاصد کے حصول کے لئے پچیس افراد پر مشتمل قافلہ ۱۸۱۸ء میں دہلی سے روانہ ہوا۔ اور ان آزادی کے پروانوں کے پاس دنیاوی اسباب میں سے کچھ بھی نہ تھا۔ لیکن خدا پر کامل یقین، مقصد کی سچی لگن، ضبط و تحمل اور قربانی و ایثار کی بے پناہ دولت ان کے پاس تھی۔ یہ دورے ملک و بیرون ملک سات سال تک جاری رہے اور لوگ ساتھ ہوتے گئے اور قافلہ بنتا گیا۔ عبیداللہ سندھی نے ان دوروں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا دورہ بیعت طریقت کے لئے۔ دین کی فہم، اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کی تلقین اس کا خاص مقصد تھا۔ یہ دورہ ۱۸۱۹ء میں ختم ہوا۔ اور دوسرا دورہ بیعت جہاد کے لئے ہوا۔ ان دوروں میں طرح طرح کے مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ جسمانی مشقتوں سے لے کر فاقہ کشی تک تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ مگر جن لوگوں نے ایک مرتبہ بیعت کی وہ ان سب کو خوشی خوشی جھیلتے رہے۔ مریدوں کے حلقے میں ذکر و مراقبہ کے بجائے فنون حرب کی مشق ہونے لگی۔ سید صاحب فرماتے تھے۔

"جہاد فی سبیل اللہ کی نیت سے ہتھیار لگاؤ۔ پیٹ بھر کر کھاؤ اور اسلحہ کے استعمال کی مشق کرو اس سے بہتر کوئی فقیری اور درویشی نہیں"

اسی دوران اپنے مرشد کی ہدایت پر آٹھ سو ساتھیوں کے ہمراہ حج بیت اللہ کے لئے بھی گئے۔ یہ ایک فریضہ دینی تو تھا ہی لیکن اس کے اور بھی بہت سے مقاصد و مصالح تھے۔

---

[1] علماء ہند کا شاندار ماضی ج ۲ ص ۹۳

۱۔ اس خیال باطل کی تردید کہ اہل ہند سے فریضۂ حج ساقط ہو چکا ہے۔

۲۔ جماعتی تنظیم کی عملی تربیت

۳۔ ایک ایسی جماعت کی تربیت جو عقیدتاً اور عملاً اسلامی سانچے میں ڈھل چکی ہو تاکہ انقلاب ان ہی کے ہاتھوں برپا ہو۔

۴۔ یورپی طاقتیں نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے ایشیا کو نرغہ میں لے کر روندرہی ہیں۔ ان کے خلاف ایشیائی قوتوں کو مجتمع کرنے کی کوشش فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد ۱۸۲۴ء میں اپنے وطن پہنچے اس دوران ہزارہا لوگوں نے بیعت کی

اس سے پورے شمالی ہند میں اخلاقی وسماجی بیداری کے ساتھ ساتھ سیاسی بیداری اور انقلاب کی داغ بیل پڑ گئی جو لوگ اب تک بے حسی کے ساتھ حالات کا شکار رہتے تھے اب ان کو محسوس کرنے لگے جو بے بسی کے ساتھ ان کو دیکھ رہے تھے کچھ کرنے کی لگن سے بے تاب ہو گئے۔ ناامیدی امید سے اور پست ہمتی حوصلہ سے بدلنے لگی۔ شاہ ولی اللہ نے جس مکمل انقلاب کا نظریہ پیش کیا تھا۔ اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہر طرح کی جانی و مالی قربانی کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ جگہ جگہ ایسے افراد تیار ہو گئے جنہوں نے تحریک انقلاب کی زمام اپنے ہاتھ میں لی۔ اور اس طرح کلکتہ سے دہلی بلکہ پٹنہ اور ٹونک انقلاب پسندوں کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا۔ یہ نری مہم جوئی یا اقتدار پسندی نہیں تھی۔ اس لئے اصلاح نفس واصلاح معاشرت کا عمل بھی جاری تھا۔ اس دوران جو فضا پیدا ہو گئی تھی اس کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر ہنٹر لکھتے ہیں:۔

> "پہلے جو چیز خواب وخیال تھی۔ اب ان کو حقیقی روشنی نظر آنے لگی تھی۔ جس میں انہوں نے اپنی آپ کو ہندوستان کے ہر ضلع میں اصلاحی جھنڈا گاڑتے اور صلیب کو انگریزوں کی لاشوں کے نیچے دفن کرتے ہوئے دیکھا۔"[۱]

یہ سب زمین ہموار ہونے اور کسی حد تک سامان حرب وضرب بہم پہنچ جانے کے بعد مسئلہ یہ تھا کہ آغاز کار کہاں سے ہو۔ کوئی ایسا مقام نقطۂ آغاز نہیں ہو سکتا تھا۔ جہاں ہر طرف اغیار سے گھر جائیں۔ کمک نہ پہنچ سکے۔ راستے مسدود ہو جائیں۔ کامیابی کی صورت یہ نظر آتی تھی کہ ہندوستان کے شمال مغربی سرحد کے علاقہ کو اپنا مستقر اور خروج کا مرکز بنایا جائے یہ علاقہ کئی وجوہ کی بنا پر عسکری اہمیت کا حامل تھا، دور تک مسلم ریاستوں کا سلسلہ تھا۔ جن سے بڑی امداد ملنے کی توقع تھی۔ خود اس علاقہ کی آبادی ایسے قبائل پر مشتمل تھی جن کی حریت پسندی ضرب المثل تھی لیکن پنجاب کی سکھ حکومت کے ہاتھوں ان کے ناک میں دم تھا۔ پھر بھی وہ آپس میں ہی ایک دوسرے سے برسرپیکار رہنے کی وجہ سے اپنی قوت کو ضائع کر رہے تھے ان کو متحد ومنظم کر کے ایک ایسی عسکری قوت حاصل ہو سکتی تھی جس کے ذریعہ استخلاص وطن کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا تھا۔

---

[۱] ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۸۹

زمان شاہ نے اٹھارویں صدی کے آخر میں ہندوستان پر یلغار کر کے پنجاب کے میدانوں کو روند ڈالا تھا۔ اس کے طوفان کو روکنا نہ مرہٹوں کے بس کی بات تھی، نہ تخت دہلی کی۔ اس کے قدم اگر ایک بار دہلی میں جمتے تو انگریزوں کی پیشقدمی کے امکانات معدوم ہو جاتے لیکن اسی دوران افغانستان میں خانہ جنگی شروع کرادی گئی اور زمان شاہ کو واپس جانا پڑا۔ وہ ۱۷۹۹ء میں واپس جاتے ہوئے رنجیت سنگھ کو پنجاب کی گورنری کا پروانہ لکھ کر دے گیا تھا۔ اس کے زوال کے بعد رنجیت سنگھ نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور ارد گرد کی چھوٹی چھوٹی سکھ اور مسلم ریاستوں کو ختم کر کے بڑی سلطنت قائم کی۔ اور مہاراجہ کا لقب اختیار کیا۔ انگریزوں نے اس کی حکومت کو اپنا حلیف بنا لیا اور اپنی تدبیر گری سے سکھوں کو پہلے سندھیا کے مقابلہ پر کھڑا کر کے مرہٹہ قوت کو کمزور کرایا اور پھر سکھ حکومت کا رخ شمال کے پٹھانوں کی طرف موڑ دیا تاکہ خود انگریز شمال مغرب کے خطرے سے بے نیاز ہو کر مفتوحہ علاقوں کو مستحکم کر سکیں۔

حریت پسندوں کے اس قافلے کا پنجاب سے گزر کر سرحدی علاقہ تک پہنچنا ممکن نہ تھا۔ اس لئے راجستھان کے طویل اور دشوار گذار راستے کو اختیار کیا گیا۔ گوالیار کی مرہٹہ ریاست اور ٹونک کی مسلم ریاست میں پذیرائی بھی ہوئی اور امداد بھی ملی۔ دس ماہ کا طویل سفر کر کے کوئٹہ سے کابل ہوتے ہوئے یہ قافلہ پشاور پہنچا۔ یہ انتظام بھی رکھا گیا کہ وسط ہند کے علاقوں سے کمک اور مال کی امداد برابر ملتی رہے۔

۱۸۲۷ء میں عارضی آزاد حکومت کی داغ بیل ڈال دی گئی۔ تمام اہلِ قافلہ نے سید احمد صاحب کو اپنا امیر مقرر کیا اور مختلف شعبہ ہائے نظام کے لئے مختلف افراد کو مقرر کیا گیا۔ تعاون و امداد کے لئے ایران و افغانستان میں سفارتیں بھیجی گئیں۔ سفیروں کے ذریعہ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے بھی رابطہ قائم کیا گیا۔ قائدین کے سامنے بہ اعتبار ہیت سے زیادہ ضروری تنظیم و اصلاح کا کام تھا۔ لیکن یہاں پہنچ کر ابھی سکون کا سانس بھی نہیں لیا تھا کہ سکھوں کی فوجوں سے تصادم شروع ہو گیا۔ بے سروسامانی کے باوجود کئی جنگوں میں کامیابی ہوئی۔ کافی علاقہ زیر نگیں آ گیا۔ عشر کا نظام قائم کر کے مالیات کا بھی انتظام ہو گیا۔ لیکن اس صورت حال سے اصل مقصد دور ہو رہا تھا۔ مختلف والیان ریاست اور خاص طور پر سکھ حکومت کے ذمہ داروں کو جو خطوط اس دوران لکھے گئے ان سے ان حضرات کا عندیہ معلوم ہوتا ہے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی افواج کے جنرل بدھ سنگھ کے نام خط سے یہ چند سطور ملاحظہ ہوں۔

"خدا گواہ ہے۔ ہمارا منشا نہ دولت جمع کرنا ہے۔ نہ اپنی حکومت قائم کرنا ہے۔ ہم خدائے بالا و برتر کے ناچیز بندے ہیں۔ نہ بندگانِ خدا پر جبر و قہر کا کوئی وسوسہ ہمارے دل میں ہے اور نہ کسی کی حکومت چھین لینے کا کوئی جذبہ۔ ہمارا منشا وطن کو آزاد کرانا ہے اور بس۔ اور یہ اس لئے کہ تقاضائے مذہب یہی ہے اور اسی میں رضائے مولا متصور ہے۔"[1]

---

[1] علمائے ہند کا شاندار ماضی ج ۲ ص ۱۹۲

سید احمد صاحب کے منشا کی مزید تفصیل اس خط میں ہے جو گوالیار کے مرہٹہ سردار راجہ ہندو راؤ کو لکھا گیا وہ لکھتے ہیں :۔

"جناب کو خوب معلوم ہے کہ وہ بیگانے اور اجنبی جو وطن عزیز سے بہت دور کے رہنے والے ہیں دنیا جہاں کے بادشاہ بن گئے ہیں اور سودا بیچنے والے دکاندار بادشاہت کے درجے کو پہنچ گئے ہیں۔ بڑے بڑے امیروں کی امارت اور بلند مرتبہ رؤسا کی ریاست کو برباد کر دیا گیا ہے۔ ان کی عزت اور ان کا اعتماد بالکل ختم کر دیا گیا ہے۔ چونکہ وہ لوگ جو ریاست وسیاست کے مالک تھے گوشۂ گمنامی میں بیٹھ گئے ہیں۔ ناچار چند بے سروسامان فقیر کمر ہمت کس کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ کمزوروں کی یہ جماعت محض اللہ کے دین کے تقاضے سے اس خدمت کے لئے کھڑی ہو گئی ہے۔ یہ لوگ جاہ طلب دنیا دار نہیں ہیں۔ بلکہ مذہبی اور اخلاقی فرض سمجھ کر اس خدمت کے لئے اٹھے ہیں۔ مال ودولت کا قطعاً کوئی لالچ نہیں۔ جس وقت ہندوستان کا میدان ان غیر ملکی دشمنوں سے خالی ہو جائے گا اور ہماری کوششوں کا تیر مراد کے نشانے پر پہنچ جائے گا، حکومت کے عہدے اور منصب ان کے سپرد ہوں گے جو اس کے مستحق ہوں گے اور انہی کی عظمت وشوکت کی جڑیں مضبوط ہو جائیں گے ہم کمزوروں کو بڑے بڑے رؤسا اور بلند مرتبہ عمائدین سے صرف اتنی بات درکار ہے کہ اہل اسلام کو ان کا دلی تعاون حاصل رہے گا اور مسند حکومت ان کو مبارک ہو"[۱]

اس علاقہ کے بہت سے قبائل، جرگوں اور خوانین نے سید احمد صاحب کی امارت کو تسلیم کر کے بیعت کی۔ چند ہفتوں کے اندر اندر مجاہدین کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی[۲] سید صاحب کے ساتھ جو لوگ ایک عرصے سے رہ رہے تھے اور ان کے دامن تربیت میں کچھ دن زندگی گذار چکے تھے ان کے اندر للہیت، حق پرستی، صداقت شعاری، اخلاص رضا بالقضا۔ صبر وتحمل اور ایثار، قربانی کے جذبات بدرجہ اتم پیدا ہو چکے تھے۔ لیکن ملکی خوانین ہیں سب نے صدق دل سے ساتھ نہیں دیا۔ اس جدوجہد کے پہلے سال ہی درانی سردار یار محمد خان نے سکھوں سے ساز باز کر کے اس مشن کو ناکام بنانے کا پورا بندوبست کر دیا۔ وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرف سے پشاور کا جاگیردار حاکم تھا۔ بظاہر اپنی آزادی کا اعلان کیا اور سید صاحب کے ساتھ شامل ہو گیا۔ لیکن اس کی نیت صاف نہیں تھی۔ پہلے عین جنگ کے موقعہ پر سید صاحب کو زہر دلوایا۔ لنگڑا ہاتھی ان کی سواری کے لئے مہیا کیا اور پھر جب مجاہدین کو کامیابی حاصل ہو رہی تھی

---

[۱] علمائے ہند کا شاندار ماضی ج ۲ ص ۱۹۳ [۲] سیرت سید احمد شہید ج ۲ ص ۵

میدانِ جنگ سے اپنے بیس ہزار کا لشکر لے کر فرار ہو گیا جس سے افراتفری پھیل گئی۔ اور میدانِ جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ سخت نقصانات اٹھانا پڑے۔ اس طرح کی دغابازیوں کا سلسلہ آخر تک جاری رہا۔ اس علاقہ کے لوگ حریت پسندی کی اعلیٰ صفت کے باوجود کسی ضبط و تنظیم کے عادی نہ تھے۔ جنگ جوئی ان کی سرشت تھی۔ لیکن عسکری نظم سے وہ بالکل بیگانہ تھے۔ اسلامی اصولوں پر مبنی عدل و مساوات اور جمہوریت کا جو نظام سید صاحب کرنا چاہتے تھے وہ نہ ان کی طبیعت سے میل کھاتا تھا نہ ان کی خود غرضیوں کی تسکین کر سکتا تھا۔ بلکہ اس سے ان کے پندار و غرور کو ٹھیس پہنچتی تھی۔ پھر انگریزوں نے بڑی چالاکی سے مذہبی اشتباہات پیدا کر دئے اور بہت سے خوانین اس لشکر مجاہدین سے بدظن ہو گئے۔ یہاں تک کہ سازش کر کے ایک شب میں تمام علاقہ میں متعینہ منتظمین، عمال و حکام کو قتل کر دیا گیا۔ اس میں تقریباً چار ہزار جانیں ضائع ہوئیں۔ اور یہ سب ہندوستان سے آئے ہوئے تربیت یافتہ حضرات تھے۔ سید صاحب کے پیغام کی مقبولیت کے باعث قوت میں اضافہ بھی ہوا۔ لیکن ان عوارضات و موانعات کے نتیجہ میں یہ قوت مجتمع ہوئی تو وہ سب سکھوں کے ساتھ جنگ میں صرف ہو گئی۔ اور جب اہل سرحد کی ان غداریوں سے مایوسی ہوئی تو سید صاحب نے ان علاقوں سے نکل جانے کا ارادہ کر لیا۔ اور مخلصین کی جماعت کو لے کر کوچ کیا۔ بھاری آلات جنگ توپ وغیرہ چھوڑ دئے۔ کیونکہ اب مقصد جنگ کرنا نہیں تھا۔ بلکہ دشوار پہاڑی راستوں سے گذر کر کسی ایسے مقام پر پہنچنا تھا جہاں اپنوں کی منافقانہ چالوں اور غداریوں سے محفوظ رہ سکیں۔ لیکن رہبروں کی عیاری سے سکھوں کے بڑے لشکر کے درمیان گھر گئے اور بالاکوٹ کے مقام پر وہ آخری معرکہ پیش آیا جس میں ۷ مئی ۱۸۳۱ء کو سید صاحب اور ان کے مخلص مرید مولانا محمد اسمٰعیل اور بہت سے دیگر جاں نثاروں نے جام شہادت نوش کیا ؏

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اور ساری تحریک کا شیرازہ بکھر گیا۔

انگریزوں کی شاطرانہ چالیں کہئے یا حالات کی ستم ظریفی کہ سکھوں نے توسیع سلطنت کے جوش میں اپنی قوتیں پٹھانوں کو زیر کرنے میں صرف کر دیں۔ پٹھان اور حریت پسند مجاہدین سکھوں سے ٹکرا کر ختم ہوئے۔ اور کچھ ہی عرصے بعد پنجاب بھی انگریزوں کے زیر نگیں آ گیا اور صوبہ سرحد بھی۔ یعنی "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی ڈپلومیسی کا یہاں بھی اسی طرح بھرپور مظاہرہ ہوا جیسے ہندوستان کی بہت سی ریاستوں کے ساتھ ہو چکا تھا۔

جیسا کہ شروع میں لکھا جا چکا ہے کہ شاہ عبدالعزیزؒ کی ہدایت کے مطابق سید احمد صاحبؒ اور ان کے ساتھیوں نے ۱۸۱۸ء سے ۱۸۲۵ء تک شمالی ہند کے مختلف علاقوں کے دورے کئے۔ اصلاح رسوم اور تبلیغ دین کے ساتھ عوام الناس میں آزادی کی روح پھونکی اس کے نتیجہ میں

۱۔ لوگوں کی بڑی تعداد سید صاحب کے ساتھ ان کی آزاد فوج میں شامل ہو گئی اور یہ سلسلہ اس وقت بھی جاری رہا

(باقی صلا پر)

نئی کارمینا نظامِ ہضم کی اصلاح کے لیے زیادہ پُرتاثیر

انسان کی تن دُرستی کا زیادہ تر انحصار معدے اور جگر کی صحت مند کارکردگی پر ہے۔ اگر نظامِ ہضم درست نہ ہو تو دردِ شکم، بدہضمی، قبض، گیس، سینے کی جلن، گرانی یا بھوک کی کمی جیسی شکایات پیدا ہو جاتی ہیں جس کے سبب غذا صحیح طور پر جُزوِ بدن نہیں بنتی اور صحت رفتہ رفتہ متاثر ہونے لگتی ہے۔

پاکستان اور دنیا کے بہت سے ممالک میں ہمدرد کی کارمینا پیٹ کی خرابیوں کے لیے ایک مؤثر نباتی دوا کے طور پر شہرت رکھتی ہے۔ چونکہ یہ ہر گھر کی اہم ضرورت ہے اس لیے ہمدرد کی تجربہ گاہوں میں اس کی افادیت پر ہمہ وقت تحقیق و تجربات کا عمل جاری رہتا ہے۔ نئی کارمینا اسی تحقیق کا حاصل ہے۔ نئی کارمینا کو پودینے کے جوہر اور دیگر مفید و مؤثر اجزا کے اضافے سے زیادہ قوی، پُرتاثیر اور خوش ذائقہ بنا دیا گیا ہے۔
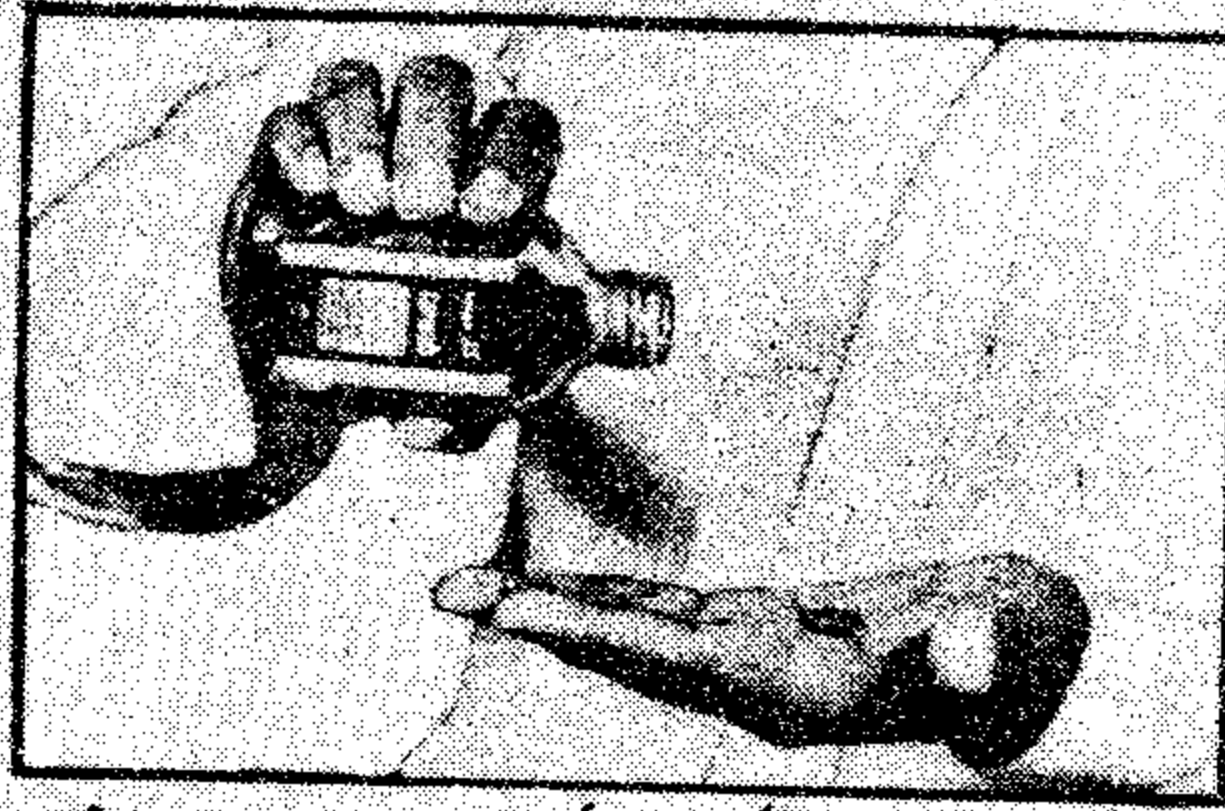
نئی کارمینا نظامِ ہضم کو بیدار کرنے، معدے اور آنتوں کے افعال کو منظم و دُرست رکھنے میں زیادہ کارگر ہے۔

بچّوں، بڑوں سب کے لیے مفید **نئی کارمینا** ہمیشہ گھر میں رکھیے

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

اصلاح اخلاق
تحقیق، رُوحِ تخلیق ہے

Adarts

CAR- 4,88

حضرۃ مولانا قاضی محمد زاھد الحسینی مدظلہ

کسبِ حلال، صدقِ مقال، حُسنِ اعمال، خیر المال

خداوند کریم نے انسان کو پیدا فرمانے کے ساتھ ہی اس میں وہ تمام قوتیں اپنی حکمت اور علم ازلی کی وجہ سے ودیعت فرما دی ہیں جن کی برکت سے وہ اپنی بدنی تربیت کے لیے انتظام کر سکتا ہے، اسی حکمت کی وجہ سے انسان کو کسبِ معاش اختیار کرنے کا متعدد پیرایوں میں حکم فرمایا جس سے اس امر کی اہمیت اور عظمت واضح ہو جاتی ہے، جیسا کہ عام انسانوں کو خطاب فرمایا:۔

یَآ اَیُّهَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔ (سورۃ البقرہ آیت ۱۶۸)	اے لوگو! کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ، اور پیروی نہ کرو شیطان کی، بے شک وہ تمہارا دشمن ہے صریح۔

اسی طرح ایمان والوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔ (بقرہ۔۱۷۲)	اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کے بندے ہو۔

اسی مسئلہ کی مزید اہمیت اور عظمت کو واضح کرتے ہوئے انبیاء اور رُسل علیہم السلام کو خطاب فرمایا حالانکہ انبیاء علیہم السلام کے ہاں تو رزقِ حلال ہی پہنچتا ہے:۔

یَآ اَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا۔ (المومنون۔۵۱)	اے رسولو! کھاؤ ستھری (پاکیزہ اور حلال) چیزیں اور کام کرو بھلا۔

ان تینوں آیات کا تفسیری تجزیہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ:۔

- رزقِ حلال کھانے والا شیطان کی پیروی سے محفوظ رہے گا۔
- رزق حلال طیّب کھانے والا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گا۔
- طیبات سے اعمالِ صالحہ کی قوت پیدا ہوگی۔

سیدِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رزقِ حلال کی طلب اور اس کی برکات کو یوں ارشاد فرمایا کہ:۔

"کسبِ حلال کے طلب کرنے کو دوسرے فرائض نماز، روزہ وغیرہ کے بعد ایک فریضہ قرار دیا" (ترجمہ مشکوٰۃ)

اور اس کو سب ذرائع حصولِ مال و دولت سے اطیب قرار دیتے ہوئے فرمایا:۔

"سب سے پاکیزہ وہ رزق جو تم کھاتے ہو یہ وہ ہے جو تم اپنے کسب کی برکت سے کماتے ہو" (ترجمہ مشکوٰۃ)

رزقِ حلال کی عظمت اور فضیلت کو یوں بیان فرمایا:۔

"سب سے بہتر وہ خوراک ہے جو اپنے دونوں ہاتھوں کی محنت سے حاصل کیے ہوئے رزق سے ہو، یاد رکھو اللہ تعالیٰ کے نبی داؤد علیہ السلام بھی اپنے دونوں ہاتھوں کے کسب کی کمائی سے کھایا کرتے تھے" (ترجمہ مشکوٰۃ)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رزقِ حلال کی عظمت کے لیے حضرت داؤد علیہ السلام کی زندگی کو بطور نمونہ پیش فرمایا، اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ ——— نہ تو تقویٰ رزقِ حلال کی طلب سے مانع ہو، اس لیے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے صاحبِ کتاب نبی تھے۔ جب صاحبِ کتاب نبی علیہ السلام دونوں ہاتھوں کی مزدوری سے حاصل شدہ رزق تناول فرماتا ہے تو دوسرے لوگ اس کو کیوں عار اور شرم سمجھتے ہیں ——— اور نہ ہی حکومت اور سلطنت رزقِ حلال کی طلب سے مانع ہو اس لیے کہ حضرت داؤد علیہ السلام فلسطین کے بادشاہ بھی تھے مگر قومی مال سے کھانے کے بجائے اپنی محنت اور مشقت کو ذریعۂ معاش بنایا تھا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام تجاری، حضرت ادریس علیہ السلام خیاطی، حضرت ابراہیم علیہ السلام بزازی کا کام کرتے تھے حضرت عیسٰے علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سوت کاتا کرتی تھیں۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ابتدائی عمر میں اہلِ مکہ کی بکریاں چرائی ہیں۔ اور ایک روایت میں یہ بھی فرمایا کہ ہر نبی علیہ السلام نے گلہ بانی فرمائی ہے۔ اس گلہ بانی سے حاصل شدہ رزق آپؐ کا وسیلۂ معاش تھا، حالانکہ آپؐ کے جدِ امجد حضرت عبدالمطلب سربراہِ مکہ تھے، مال و دولت موجود تھا مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مزدوری سے رزق حاصل فرمایا، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا مال تجارت کیلئے لے جایا کرتے تھے عطاءِ نبوت کے بعد یوں ارشاد فرمایا:۔

"میرا رزق میرے نیزے کے سائے کے نیچے ہے" یعنی غلبۂ اسلام کے لیے جو جہاد کیا جاتا ہے اس میں سے جو مجھے مالِ غنیمت ملتا ہے وہ میرا رزق ہے۔

اسی طرح تمام صحابۂ کرامؓ، ائمہ حضرات، علماء سابقین نے محنت کی اور مشقت سے اپنا رزقِ حلال حاصل کیا اور

اس کو عار نہیں بلکہ عزت سمجھا چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مشہور رباعی ہے ؎

لنقل الصخر من قلل الجبال　　احب الی من منن الرجال

یقول الناس فی الکسب عار　　فقلت العار فی ذل السوال

کسب کو معزز سمجھنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چوم لیے جو رزقِ حلال کے لیے پتھروں کو کوٹ کر روڑی بناتے تھے۔ رزقِ حلال کے لیے کسب کرنا بہت بڑی عبادت ہے، جیساکہ امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ ــــ "بعض ایسے گناہ ہیں جو دوسری عبادتوں سے بھی معاف نہیں ہو سکتے لیکن جب ایک آدمی رزقِ حلال کی تلاش میں پریشان رہتا ہے اس کے وہ ناقابلِ معافی گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں ــــ"

چنانچہ کسبِ حلال کو عزت اور عبادت سمجھتے ہوئے سابقہ دور میں علماء کرام اور اولیاء عظام نے کوئی نہ کوئی کسب رزقِ حلال کے لیے اختیار کیا جن کے اسماء گرامیہ کے ساتھ حدّاد، غزّال، دہّان، رمّان، جصّاص، خصّاف، بزاز وغیرھا ایسے القاب موجود ہیں جو کسی نہ کسی کسبِ حلال کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور احقر کا یہ خیال ہے کہ ان کی مرتبہ کتابوں کو اسی لیے برکت عطا ہوئی کہ ان کا رزقِ حلال تھا اور اس سے دل و دماغ میں تقویٰ اور خلوص پیدا ہوا، اس دماغ سے جو بات نکلی اور اس قلم نے جو بات لکھی وہ مقبولِ خلائق بنی، چنانچہ رزقِ حلال کی چند برکات ذکر کی جاتی ہیں:۔

(۱) رزقِ حلال کھانے سے نیکی کی طرف رغبت اور بدی سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے جس کا مشاہدہ آج بھی کیا جا سکتا ہے رزقِ حلال سے اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا قبول ہوتی ہے ــــ (۲) رزقِ حلال کا متلاشی سارا دن تقریباً اپنی محنت میں مصروف رہتا ہے اس لیے وہ لایعنی امور، اخلاقی گراوٹ، غیبت وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے ــــ (۳) رزقِ حلال کا متلاشی فرد اور قوم اپنی ضروریات کی خود کفیل بن جاتی ہے، دوسری اقوام اور دوسرے ممالک کی محتاج نہیں رہتی ــــ (۴) رزقِ حلال سے پیدا ہونے والی اولاد عموماً نیک صالح محنتی، والدین کی اطاعت شعار ہوتی ہے ــــ (۵) رزقِ حلال کی طلب سے قوم سے رشوت، سود خوری، گراں فروشی وغیرھا مہلک اقتصادی امراض کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

اس کے برعکس ــــ رزقِ حرام سے پیدا ہونے والی بدنی اور دماغی قوت نافرمانی کی طرف رغبت کرتی ہے، اور وہ انسان اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر مردود ہو جاتا ہے کہ اس کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی ــــ رزقِ حرام کے لیے محنت کرنے والے افراد اور قوم اپنا سارا وقت غیبت، غلط منصوبہ سازی وغیرہ میں صرف کر دیتے ہیں ــــ رزقِ حرام کی متلاشی قوم اور افراد دوسروں کی محتاج رہتی ہے ــــ رزقِ حرام سے پیدا شدہ اولاد عموماً بداعمال اور والدین کی نافرمان ہوتی ہے ــــ رزقِ حرام کا طلبگار گرانفروشی، سود بلکہ قتل تک کے کبیرہ گناہ کا مرتکب بن جاتا ہے۔ آج کے دور میں اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

آخر میں اس مضمون کو شاہزادہ بلخ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد پر ختم کیا جاتا ہے، جب آپ سے

تمام ریاضت، مجاہدات کا لُب لباب اور خلاصہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: "**رزقِ حلال**"

چنانچہ رزقِ حلال کی اہمیت اور عظمت پر علماء کرام نے مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں جیسا کہ علامہ سرخسیؒ نے ایک مستقل کتاب کتاب الکسب کے نام سے تحریر فرمائی جو اُن کی مبسوط کتاب مبسوط نامی میں شامل ہے مگر سب سے زیادہ مفصل اور محققانہ کتاب علامہ سمعانیؒ کی کتاب الانساب ہے جو ابھی تک اس لیے غیر معروف تھی کہ ایک تو وہ عربی زبان میں ہے دوسرا اس مادی دور میں ایسی کتاب کی نہ تو جستجو ہے اور نہ ہی اس کے مطالعہ کا شوق ہے ـــــ اللہ تعالیٰ فاضل نوجوان محقق دوران مولانا عبدالقیوم حقانی مدرس دارالعلوم حقانیہ کو جزا خیر دے کہ موصوف نے اپنی تدریسی اور دوسری علمی مصروفیات سے وقت نکال کر اس عظیم کتاب کا مطالعہ فرمایا اور پھر اس پر اپنے موضوع سے متعلق چیدہ چیدہ شخصیات کا انتخاب کر کے "الانساب" اور اسماء الرجال اور تاریخ کے دیگر مستند ماخذ سے استفادہ کر کے دلچسپ اور خاص اندازِ تحریر میں مضامین لکھ کر ملک و بیرونِ ملک کے نامور علمی، دینی جرائد میں عام فائدہ کے لیے شائع فرمایا۔ جو ماہنامہ الحق میں "علامہ سمعانیؒ سے ملاقات" کے عنوان سے قارئین کی دلچسپی اور ذوقِ مطالعہ و استفادہ کا بطورِ خاص مطمحِ نظر رہا ـــ خدا کرے کہ موصوف اب اس کا جوہر اردو زبان میں مستقل کتابی شکل میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کریں تو زیادہ نافع الخلائق ہو۔ اس گناہ گار کی رائے میں ان مضامین کی کتابی شکل میں اشاعت اس لیے بہت ہی ضروری ہے کہ اس سے ان طبقات کی دینی حوصلہ افزائی ہوگی جو رزقِ حلال کے لیے مختلف مکاسب اختیار کیے ہوئے ہیں، اور سوسائٹی میں ان کو معزز مقام حاصل ہو جائے گا۔

گلا گھونٹ کر مار ڈالے۔ اس اعتبار سے طلاق کا ضابطہ ایک صالح معاشرہ کی تعمیر کے لئے بہت ضروری ہے جو اکثر حالتوں میں مرد یا عورت کی جان بچاتا ہے۔ بلکہ واقعہ کے اعتبار سے اس میں عورتوں کی زندگی محفوظ رہتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلامی شریعت کے اس ضابطہ پر اگر صحیح معنی میں عمل کیا جائے تو اول تو طلاق کی نوبت ہی نہیں آتی۔ اور اگر آئے بھی تو اس صورت میں مصالحت کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ ہاں خرابی صرف بیک وقت تین طلاقوں کی صورت میں پیدا ہوتی ہے۔ مگر اس کے باوجود آج مسلم معاشرہ میں طلاقوں کی اتنی بھرمار نہیں ہے جتنی کہ مغربی ممالک میں پائی جاتی ہے اور اس سلسلے میں مخالفین کی جانب سے جو اعداد و شمار پیش کئے جاتے ہیں۔ وہ حد درجہ مبالغہ آمیز ہوتے ہیں جس کا مقصد محض اسلامی قانون کو بدنام کرنا ہے۔

جب سید صاحب سرحدی علاقے میں مصروف پیکار ہو گئے۔ ہندوستان سے ہجرت کر کے اس لشکر میں شامل ہونے والوں کی تعداد کم و بیش آٹھ ہزار بتائی جاتی ہے۔ ۲۔ مالی امداد بھی ملک کے گوشے گوشے سے حاصل ہوتی رہی۔

۳۔ ملک کے مختلف علاقوں میں ایسے افراد تیار ہو گئے جنہوں نے آگے چل کر حریت پسندوں کی تنظیم کو سنبھالا خصوصاً بنگال اور بہار میں ایسے متعدد مراکز بن گئے تھے۔

۴۔ ۱۸۳۱ء میں واقعہ بالاکوٹ کے بعد بھی روحِ آزادی زندہ رہی جس کا نقطۂ عروج ۱۸۵۷ء تھا۔

حافظ محمد ابراہیم فانی
مدرس دارالعلوم حقانیہ

قرنِ اوّل کی اداؤں کا امیں بھی چل بسا!

ع۔ عرشِ اعلیٰ پر بپا ہے حشرِ فریاد و فغاں
ہائے رخصت ہو گیا دنیا سے وہ شیخِ زماں

ب۔ بن گیا ماتم سرائے دیوبندی میکدہ
کون ہو گا ساقیٔ مدہوش برائے تشنگاں

د۔ داغِ فرقت دے گیا وہ پیکرِ صدق و صفا
دل میں اب باقی نہیں ہے طاقتِ ضبطِ فغاں

ا۔ الوداع اے آفتابِ علم و عرفاں الوداع
ماہتابِ زہد و تقویٰ رازدانِ کُن فکاں

ل۔ لالہ و نرگس میں ہمدم وہ دلآویزی نہیں
بادِ غم سے منتشر ہے گلشنِ بزمِ جہاں

ح۔ حسرت و حرماں کا اک دریائے ناپیدا کنار
موجزن ہے ہر دلِ مؤمن میں یارب الاماں

ق۔ قرنِ اوّل کی اداؤں کا امیں بھی چل بسا
ہائے فانیؔ وہ امامُ المتقین بھی چل بسا

- امام بخاریؒ کے مزار پر مولانا عبدالحق کے لئے تعزیتی تقریب
- شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان کو صدمہ

افکار و تاثرات

قارئین بنام مدیر

امام بخاری کے مزار پر بخاری دوران مولانا عبدالحق کے لئے تعزیتی مجلس

محترم! آپ کو معلوم ہی ہے کہ احقر اور مولانا محمد یوسف قریشی روس کے مسلمانوں کی دعوت پر ۱۱ستمبر ۱۹۰۸ء کو تاشقند، بخارا، سمرقند اور خرتنگ وغیرہ کے تبلیغی دورے پر گئے تھے۔ وہاں پر بہت سے اسلامی مراکز اور عبادت گاہیں جن سے ہمارا تابناک ماضی وابستہ ہے کو دیکھ کر کوئی بھی درد دل رکھنے والا مسلمان آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جہاں سے پوری امت مسلمہ کی راہ نمائی اور دینی تربیت ہوئی تھی اور جہاں سے اہل اسلام اپنے سینوں کو منور کرتے تھے۔ آج وہ مراکز اسلام کس مپرسی کے عالم میں اپنے ہر ایک زائر سے ملتجانہ انداز میں مسلمانوں کے انتشار و افتراق اور اختلافات کی دلدل میں پھنس کر اپنے اصل مقاصد اور اہداف سے انحراف پر نوحہ کناں ہیں۔

"تاشقند میں ظہر کی نماز کے بعد مسجد زین الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ خوانی ہوئی اور عصر کی نماز اسی شہر کی ایک دوسری مسجد، مسجد خواجہ علمبردار میں ادا کی۔ یہاں جب پہنچے تو ہیبت سے کلیجہ منہ کو آرہا تھا۔ پتہ نہیں کیا سبب ہے؟

استفسار کرنے پر پتہ چلا کہ یہاں پر اسلام کی اولوالعزم شخصیت اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابی رسولؐ مدفون ہیں۔ یہ صحابی مدینہ منورہ سے تبلیغ اسلام کے لئے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف لائے۔ علم اسلام ان کے ہاتھ میں تھا تو اسی نسبت کے حوالے سے علمبردار کے نام گرامی سے مشہور ہوگئے۔

احقر جس مزار پر بھی حاضر ہوا تو علم اور اشاعت اسلام کی نسبت اور حوالے سے قبلہ و کعبہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نظروں کے سامنے رہتے اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھ جاتے۔ حضرت ابوبکر قفالؒ مصنف کتاب اصول الشاشی کا مزار ہو یا عم زاد رسول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے برادر محترم کا مرقد۔ مگر ان لمحات کو احقر زندگی بھر نہیں بھلا سکتا جس وقت خرتنگ میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد مبارک پر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لئے فاتحہ خوانی ہوئی۔ اس وقت سمرقند، بخارا اور خرتنگ کے علماء کرام اور دانشور حضرت شیخ الحدیثؒ کی فاتحہ خوانی میں شریک تھے۔ احقر نے اپنے بیان میں مختصر الفاظ میں حضرت شیخ الحدیثؒ کا تعا ـ

کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے اپنی ساری عمر بخاری شریف کے درس و تدریس میں گذاری۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر روحانی فرزند تھے۔ اسی نسبت اور حوالے سے سمرقند بخارا اور خرتنگ کے علماء کرام اور ہم سب نے آپ کی تعزیت حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے کی۔ کیونکہ آپ کے جلیل القدر روحانی فرزند اور جانشین کی تعزیت اور کس سے کی جاتی ؛

مرقد حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر سمرقند کے مفتی اعظم شیخ مصطفےٰ اور مسجد امام بخاری میں منعقدہ تعزیتی میں فاتحہ خوانی اور تعزیتی کلمات خرتنگ کی ممتاز ترین شخصیت شیخ عثمان خطیب و امام مسجد حضرت امام بخاری نے فرمائی۔ احقر کو یہ سعادت میسر رہی ہے کہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے سفر و حضر میں انتہائی قربت رہی ہے آپ جب کبھی بھی حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا نام مبارک لیتے تو آپ کا سر اور نظریں ادب و احترام کی وجہ سے جھک جاتیں۔ آپ بخاری کا نام انتہائی ادب و احترام کے ساتھ لیتے۔ اس سے اندازہ ہوتا کہ آپ کو کتنی محبت اور عقیدت اور تعلق خاطر تھا۔ حضرت امام بخاری سے اسی نسبت سے احقر نے اہلیانِ خرتنگ کی طرف سے دئیے گئے ظہرانے کے بعد پھر مرقد امام بخاری پر حاضر ہوا اور حضرت امام سے حضرت شیخ کی تعزیت کر کے سمرقند کے لئے رخصت ہوا۔

اسی طرح اس سفر میں تمام مراکز اسلام اور مزارات صحابہؓ اور بزرگان دین پر حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے لئے فاتحہ خوانی ہوئی۔ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ پر احقر نے چند سطور یادداشتیں اور مشاہدات اور مشاہدات کے عنوان سے لکھی ہیں جو انشاءاللہ عنقریب قومی اخبارات میں چھپ جائیں گی۔

امید ہے کہ آپ کے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ طویل سمع خراشی پر معافی کا خواستگار ہوں۔ والسلام

حقیر۔ اشرف علی قریشی خادم جامعہ اشرفیہ پشاور۔

مولانا محمد سرفراز خان اور مولانا زاہد الراشدی کو صدمہ

شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر کی اہلیہ محترمہ اور جمعیت علماء اسلام پاکستان کے ڈپٹی سیکریٹری جنرل مولانا زاہد الراشدی کی والدہ مکرمہ کا گذشتہ روز انتقال ہوگیا انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرحومہ کی عمر ساٹھ برس سے زائد تھی۔ اور وہ کچھ عرصہ سے ذیابیطس اور ہائی بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں۔ دو ہفتہ سے ان کی طبیعت زیادہ خراب تھی چنانچہ انہیں شیخ زاید ہسپتال لاہور میں داخل کرا دیا گیا مگر وہ تین چار روز بیہوش رہنے کے بعد وفات پا گئیں۔

ان کی نماز جنازہ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ میں مولانا محمد سرفراز خان صفدر نے پڑھائی جس میں ممتاز علماء کرام، سیاسی راہ نماؤں، سماجی شخصیات اور جماعتی کارکنوں کے علاوہ ہزاروں شہریوں نے شرکت کی۔ اور نماز جنازہ کے بعد مقامی قبرستان میں انہیں سپرد خاک کر دیا گیا۔

مرحومہ ایک عبادت گذار اور شب زندہ دار خاتون تھیں اور انہوں نے زندگی کا بیشتر حصہ قرآن کریم کی تعلیم و تدریس میں بسر کیا۔ وہ صبح شام اپنے گھر میں بچیوں اور بچوں کو قرآن کریم حفظ و ناظرہ، ترجمہ قرآن اور بہشتی زیور کی تعلیم دیا کرتی تھیں اور یہ سلسلہ تقریباً پینتالیس سال سے تسلسل کے ساتھ جاری تھا ——— ادارہ الحق اور دارالعلوم حقانیہ اس غم میں برابر کا شریک ہے۔ (ادارہ)

شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان مدظلہ

تعارف تبصرہ کتب

کتاب الدیات | تالیف: امام ابوبکر احمد بن عمرو الشیبانی۔ صفحات ۱۵۰ قیمت ۳۸ روپے

ناشر: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ دی/ ۴۳۷ گارڈن ایسٹ کراچی ۵

یہ کتاب ان روایات اور احادیث کا مجموعہ ہے جن کا تعلق نفس انسانی کی حرمت اور قتل اور دیت وغیرہ سے ہے۔ اس موضوع پر دوسری کتاب میں اتنی روایات نہیں ملتیں۔ کتاب ایک یگانۂ روزگار اور نوادرات میں سے ہے۔ کتاب کا مؤلف امام ابوبکر احمد بن عمرو بن عاصم الضحاک الشیبانی المتوفی ۲۸۷ھ ہے۔ جو اصحاب صحاح ستہ کا ہم عصر اور ان کے ساتھ اکثر مشائخ میں شریک ہے۔

مؤلف نے اپنی اسناد سے روایات جمع کی ہیں جن میں ثلاثیات بھی ہیں کتاب مختلف ابواب پر مشتمل ہے جن میں اہم مباحث نفس انسانی کے قتل کی حرمت اور شریعت میں قاتل کی سخت ترین سزا اور آخرت میں کفار کی طرح قاتل کا عذاب اور قتل خطاء کے احکام اور مختلف اعضاء کے قطع کے احکام اور دیات کی تفصیل ہے۔ نیز جراحات کی اقسام اور ان کے بارے میں روایات اور علماء کے اقوال کا بیان ہے۔

احادیث مرفوعہ کے ساتھ صحابہ کرام رضی کے اقوال اور تابعین عظام کی مختلف آراء بالتفصیل ذکر ہیں بعض روایات کے بعد خود مؤلف تشریح اور توجیہ بھی کرتا ہے۔ فقہ اور قانون میں دیات کا مسئلہ سخت اور مشکل مباحث میں سے ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے کافی حد تک حل ہو سکتا ہے۔

اگر اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو جائے تو اس کا ہر اعتبار سے نفع عام ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

موجودہ کتاب کی طباعت بہت اعلیٰ اور عربی ٹائپ خط نسخ میں ہے۔

(محمد حسن جان)

حیات انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ علیہم السلام | تالیف: مفتی عبد الشکور ترمذی —— صفحات: ۲۱۶ —— قیمت درج نہیں

پتہ: المکتبۃ الاشرفیہ، جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور ۱۶

تقریباً ۳۰ سال سے پاکستان کے بعض علمی و دینی حلقوں میں مسئلہ حیات النبی ﷺ، سماع عند القبر، عالم برزخ اور عذاب قبر اور استشفاع کے مسائل باہمی انتشار و افتراق وجۂ نزاع اور زبردست مناظرانہ معرکہ آرائی کا سبب بنے۔ بات آگے بڑھی تو فریقین نے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ کو ثالث مان لیا۔ مولانا محمد علی جالندھریؒ اور مولانا لال حسین اخترؒ نے اس موقع پر اپنے موقف کے حق میں جو دلائل تحریر کر کے ثالث حضرات کی خدمت میں بھیجے، حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے ریکارڈ سے انہیں حاصل کر کے ثالثی کے تمام تر پس منظر اور ضروری تفصیل کے ساتھ "حیات انبیاء کرام" کے نام سے کتابی شکل میں مرتب کر لیا ہے۔ کتابت اور طباعت کی عمدگی نے رسالہ سے افادہ کو مزید دلچسپ بنا دیا ہے۔

(عبد القیوم حقانی)

يٰأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED
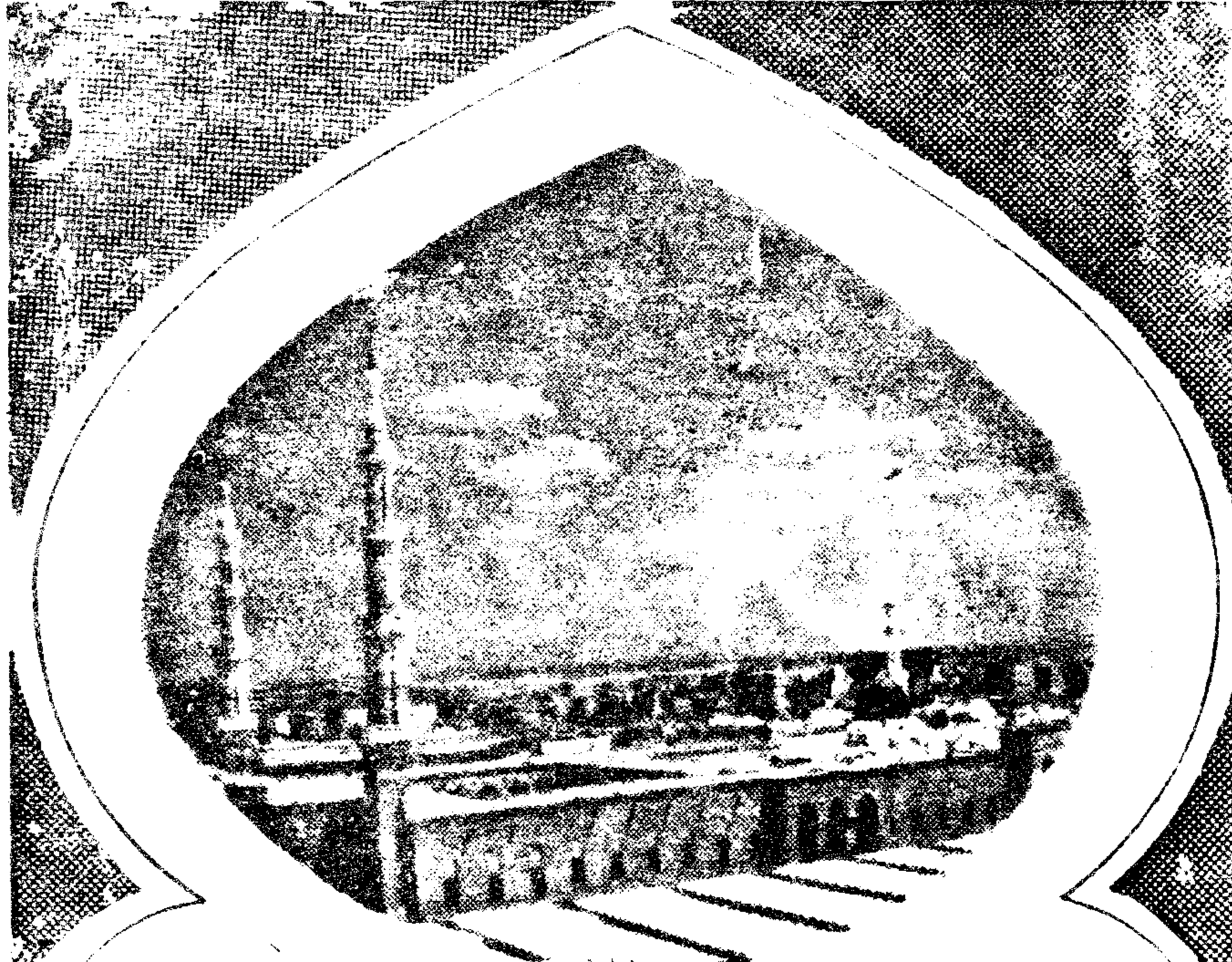
اُس کے ماتھے کا پسینہ خشک ہونے بھی نہ پائے
آپ محنت کا صلہ دے دیجئے مزدور کو
کاش ہر آجر کے ہو پیشِ نظر قولِ رسولؐ
حرفِ آخر مان لے دنیا اسی دستور کو
ہو رسولؐ اللہ کا کردار اگر خضرِ حیات
خود ہی آدابِ حیات آجائیں گے جمہور کو
PAKISTAN TOBACCO
PTC
COMPANY LIMITED